

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہالت میں مسلمانوں پر درناک لرزہ خیز مظالم

انتخاب، تحریر، ترتیب، تزئین

محمد اسلم رانا بی اے (آنرز) وی او پی گریجویٹ، گولڈ میڈلسٹ
ایڈیٹر ماہنامہ "المنہاج" ملک پاک شاہد رہ لاہور

اسلامی مشن سنٹر، نگر، لاہور

یہاں، مبلغوں اور نو مسلموں کی سرپرستی، افریقہ
 و دیگر ممالک میں اسلامی لٹریچر اور قرآن پاک کی ترسیل،
 باطل مذاہب و نظریات کی تردید اور تبلیغی لٹریچر اور
 تالیفات و کتب کی طباعت و اشاعت کے ضمن میں
 اسلامی مشن کا ماضی تابناک اور قابل فخر ہے۔ اس کا رخنہ
 کو آگے بڑھانے میں مقدور بھر حصہ لیجئے۔

اسلامی مشن کو دیئے گئے عطیات انکم ٹیکس سے
 مستثنیٰ ہیں۔

اسلامی مشن سنت نگر، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھارت میں مسلمانوں پر درناک لرزہ خیز مظالم

انتخاب، تحریر، ترتیب، تزئین

محمد اسلم رانا بی اے (آنرز) وی او پی گریجویٹ، گولڈ میڈلسٹ
ایڈیٹر ماہنامہ المذاہب ملک پاک شاہدرہ لاہور

اسلامی مشن سنت نگر، لاہور

بھارتی مسلمانوں پر درو ٹناک برزہ خیز مظالم	نام کتاب
محمد اسلم رانا گولڈ میڈلسٹ	تالیف
اسلامی مشن سنٹ گنر لاہور	ناشر
طیب جمال پرنٹرز لاہور	مطبع
احمد گرافکس لاہور فون: 320521	کتابت
جولائی 1993ء	بار اول
10 روپے	قیمت

بھارتی مسلمانوں پر دردناک لرزہ خیز مظالم

ایک نظر میں

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۵	تعارف	
۷	پہلا حصہ	
۷	بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کیجئے	۱
	دو سراحصہ	
۲۲	بھارتی سیکولرزم ایک عیسائی دانشور کی نظر میں	۲
۲۵	بھارتی سیکولرزم کی حقیقت	۳
۲۷	بھارتی سیکولرزم کا بے نقاب چہرہ	۴
	تیسرا حصہ	
۲۹	بھارت کو ہندو ملک بنایا جائے گا	۵
۳۰	ہندو مت کے پیروکاروں میں اضافہ	۶
	چوتھا حصہ	
۳۲	المناک اور حیرت انگیز	۷
۳۳	ہندو وحشت و درندگی کی انتہا	۸
۳۵	ہندو بھارت کے جہنم میں جلتے ہوئے مسلمان	۹
۳۷	ہے کوئی درمنداں ہے پڑھنے والا؟	۱۰

- ۳۸ بھارتی مسلمانوں کی حالت (۲) ۱۱
- ۴۰ بھارتی مسلمانوں کی حالت (۲) ۱۲
- ۴۱ بھارت سے ایک جنگی جہاز رپورٹ ۱۳
- پانچواں حصہ
- ۴۴ بابر کی مسجد ----- ۱۴
- ۵۲ بھارتی مسجدوں میں آگ ۱۵
- ۵۴ مساجد پر قبضہ کا خوفناک منصوبہ ۱۶
- ۵۵ ہندو تعصب اور تاج محل ۱۷
- ۵۶ بھارت میں قرآن مجید کے خلاف سازش ۱۸
- چھٹا حصہ
- ۶۴ جواب آں غزل ۱۹
- ۷۴ منہدی ہندوؤں کی پراسرار تحریکیں سرزمین ۲۰
- ۸۲ لوٹنے والے ہندو ہیں یا پنجابی؟ ۲۱
- ۸۹ منہدی عوام کو بھڑکانے کی بھارتی مہم ۲۲
- ۹۱ پاکستان میں مندروں کی مرمت و تعمیر ۲۳

بھارتی مسلمانوں پر دردناک لرزہ خیز مظالم

تعارف

ہندوؤں کے ہاں اسلام ایک غیر ملکی نظام ہے۔ مسلمانوں کو برصغیر ہندوستان میں دیکھنا انہیں قطعی گوارہ نہیں۔ حکومت کی طاقت و قوت ہندوؤں کے ہاتھ کیا آئی بے چارے مسلمانوں کے لئے قیامت برپا ہو گئی! ۳۶ برس سے شہری اور انسانی حقوق کا تو تصور ہی کیا، ہندو عوام و حکومت انہیں موت کے انتظار کی سہلت بھی نہیں دے رہے۔ ان کی جانیں، اموال اور عصمتیں سب لوٹ کا مال ہیں۔ باقاعدہ منصوبہ بندیوں کے تحت نظریاتی، طبعی اور شعوری و لاشعوری طور پر سنگینوں کی نوک کے زور سے بتدریج خاتمہ کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔ بے یار و مدد گار اور بے کس و بے نوا ہیں۔ دنیا بھر میں کوئی ان کا پرسان حال اور شتوا نہیں ہے! مشن کے خصوصی ترجمان محمد اسلم رائے نے بڑی محنت سے اخباری خبروں، رپورٹوں، اداروں، بااعتماد اطلاعات اور خود بھارتی رسائل و جرائد کی بنا پر بھارتی جنم زار میں جلتے ہوئے مجبور و مقہور مسلمانوں کی اندوہناک قلمی تصویر پیش کی ہے۔

ان ہوشیہ حالات کے پیش نظر عالمی برادری، بڑی طاقتوں، انسانی حقوق کے اداروں، اینٹی انٹرنیشنل اور اقوام متحدہ اور بالخصوص مسلم ممالک، اسلامی کانفرنس اور مسلم ورلڈ لیگ کا فرض ہے کہ وہ ہندو بھارت پر ہر ممکن

اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی دباؤ ڈال کر اسے مجبور کریں کہ وہ مسلمانوں کے
پر امن رہنے، بسنے کی موثر ضمانت دے۔

اختر احسن

اسلامی مشن سنت نگر لاهور
مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۹۳ء

بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کیجئے

تمہید : مولانا محمد سعود عالم قاسمی ناظم شعبہ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ محو کتبہ الارا مضمون ماہنامہ ”دارالسلام“ مالیر کوٹلہ۔ بھارت بابت مئی ۶۹ء اور جون ۶۹ء میں بعض ان قومی تہذیب کا المیہ شائع ہوا تھا۔ حضرت مولانا نے ان مذموم مساعیٰ ذہنیت اور اقدام کا کوسوزی سے جائزہ لیا ہے جو بھارت سرکار نے بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم کرنے کے لئے کئے ہیں۔ ہم نے بغرض سہولت سرفی تبدیل کر دی ہے نیز آخر میں حواشی اور تشریحات کے عنوان سے مضمون کو زیادہ سے زیادہ آسان، قابل فہم اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے۔

”الماذہب“ میں یہ مضمون نقل کرنے سے مقصود پاکستانی مسلمانوں کو ان المناک حالات سے روشناس کرانا ہے جن کے باوجود بھارتی مسلمان متاع اسلام کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ اہل پاکستان اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں گے۔ (محمد اسلم رانا)

مولانا لکھتے ہیں ”ہندو اور مسلمان ہندوستان کی آبادی کا غالب حصہ کل بھی تھے اور آج بھی ہیں اور ان دونوں قوموں کو اپنے تہذیبی ورثہ سے گہرا تعلق ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ اس قومی تہذیب کو جس پر اکثریت کی چھاپ ہو قبول کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں رہے۔ برادران اب وطن کا دانشور طبقہ قومی تہذیب کی شکل میں جو کچھ پیش کرتا تھا

وہ مسلمانوں کے ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا کرتا تھا اور ان کو اپنی تہذیب و ثقافت کا مستقبل پر معروضہ خطر میں نظر آتا تھا۔ چنڈت نہرو نے جو آزاد ہندوستان کے پسے و پریشہم منتخب ہوئے نسبتاً معقول سمجھے جاتے تھے ان کے بیانات سے بھی مسلمانوں میں علیحدگی کا رجحان افزوں ہوا مثلاً ان کا کہنا تھا۔

”اسلامی تہذیب و تمدن فی نفسہ کوئی چیز نہیں بلکہ صدیوں سے مغلوں اور پٹھانوں کے دور حکومت میں جو طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے تھے انہی کا نام اسلامی تہذیب و تمدن رکھ دیا گیا ہے آج جو مسلمان اسلامی تہذیب و تمدن کا شور مچا رہے ہیں اس کا مقصد محض اس گذرے ہوئے تاریخی دور کی میراث کو اس بدلے ہوئے زمانہ میں جوں کا توں برقرار رکھنا ہے اس لئے یہ رجعت پسند اور ترقی کے دشمن ہیں۔“

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح مخلوط تہذیب کو ترقی اور اسلامی تہذیب کو رجعت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اسلام کی تہذیبی قدروں سے آنکھیں بند کر کے مغلوں اور پٹھانوں کے رسم و ریشہ کو اسلامی تہذیب قرار دیا جاتا تھا۔ اس کا پشعاع یہ تھا کہ آنے والے دور میں یہ تہذیب قصہ پارہ بن کر رہ جائے گی اور مسلمان غیر مسلم اکثریت کی زائیدہ قومی تہذیب کا حصہ بن جائیں گے۔ غیر منقسم ہندوستان کے ایک اور دانشور جو صوبہ متحدہ کے وزیر تعلیمات بھی تھے، مسٹر سپور ناندہ کہتے تھے۔

”مسلمانوں کی تہذیب کیا ہے؟ غریب میں شامل نہیں ہے۔ اس کا جلوہ شاعری، فنِ تعمیر، سنگ تراشی، مصوری اور موسیقی میں نظر آتا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کا مجسمہ تہذیب ہے۔ کیا ہندو اور مسلمان کی تہذیب ان چیزوں میں کوئی بنی فرق ہے؟ زمانہ ماضی کے چند بہترین لوگوں کو لے لیجئے وہ سب مسلمان ہیں لیکن راگوں کے نام کیا ہیں یہ راگ اور راگنیاں سب سنسکرت کے نام ہیں کیا کوئی ہندو آج ایسا ہے جو یہ کہنے کا حق رکھتا ہو کہ ہندوستانی گانے ہندو گانے ہیں یا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستانی گانے مسلمان گانے ہیں۔ ہندوستانی مصوری اور فنِ تعمیر کے شباب کا زمانہ عہد مغلیہ میں تھا پھر اب ہم کیوں ہندو تہذیب اور مسلمان تہذیب کا ذکر کرتے ہیں ہم ایران کی مثال لیتے ہیں۔ ایران کا مذہب اسلام ہے اور عرب کا مذہب بھی اسلام ہے لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایران میں عرب تہذیب ہے۔“

آرٹ اور فنونِ لطیفہ، مغلوں کی فنکاری اور مینا کاری کو اسلامی تہذیب قرار دینے کی غلطی نادانستہ کی جا رہی تھی یا دیدہ و دانستہ اس سے قطع نظر یہ بات بہتر حال واضح ہے کہ اسلامی تہذیب کو اہمیت دینے کے لئے برادرانِ وطن اب تیار نہ تھے۔ مسلمانوں کے نزدیک اپنی تہذیب کی بقاء و ارتقاء کا مسئلہ جان و مال سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ جسے اہلِ وطن ترقی دشمنی اور رجعت پسندی قرار دیتے تھے۔ غیر مسلم چونکہ خود پاکیزہ تہذیبی قدروں اور مربوط نظامِ زندگی سے محروم تھے اس لئے مسلمانوں کو بھی اسی

زاویہ نگاہ سے دیکھنا پسند کرتے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ۲ اس بات پر مطمئن تھا کہ وہ آزادی کے بعد غیر مسلموں کے ساتھ رہ کر سماجی و سیاسی معاملات میں مشترکہ لائحہ عمل کا حصہ بن کر بھی تہذیبی انفرادیت کو برقرار رکھ سکتا ہے جب کہ دوسرا ۳ طبقہ اس سے قطعی مطمئن نہ تھا اس نے اکثریت کے آئینے میں اپنی شکل و صورت دیکھ لی تھی اس لئے وہ دو قومی ۴ تہذیب کا تصور پیش کرتا تھا اور بالآخر وہ اس کے لئے پاکستان کے نام سے ایک الگ ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طریقہ ریاست کی وجہ جواز اگرچہ تہذیبی انفرادیت اور ملی تشخص کی ضمانت تھی مگر یہ ضمانت آج تک حاصل نہ ہو سکی کیونکہ مغربی طرز زندگی، نظام تعلیم، نظریہ قومیت، ادب و فنون اور جمہوریت نے بذات بیلوں کی طرح اس شجرہ طیبہ کو ڈھانک لیا ہے۔

آزادی اور تقسیم کے بعد ہندوستان میں قومی تہذیب کا مسئلہ پھر ابھر کر سامنے آیا اب اس میں اتنی طاقت اور شدت تھی کہ مسلمان اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے۔ اب اس کی پشت پر اکثریت، حکومت اور ذرائع ابلاغ و وسائل نشر و اشاعت کی سہ آتش طاقت تھی اور اس کا سامنا کرنا آسان نہ تھا اور سامنا کرنے والوں کو بیک، جبین، قلم قوم دشمن اور ملک دشمن قرار دے کر قابل ملامت اور لائق ازیت بنایا جاسکتا تھا جیسا کہ بنایا گیا۔ ۵ دستور اور قانونی طور پر یہ ضرور اعلان کیا گیا کہ ہندوستان سیکولر طرز حکومت کا ملک ہو گا، اس کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہو گا بلکہ اس

میں مذاہب اور نظریات کی اشاعت اور قبول کی پوری آزادی ہو گی۔ مگر عملاً قومی تہذیب کے نام پر جو طور طریق اور رویہ اپنایا گیا وہ بہت حد تک جانبدارانہ ہے۔ اس تہذیب میں مسلمانوں کی تہذیبی انفرادیت کی گنجائش نہیں تھی لیکن ہندو جارجیت کی رعایت بہر حال موجود تھی۔ ہندو احیاء پرستی کی پشت پناہی اتنے طریقوں سے ہوئی کہ لسانی ۸۰ اور مذہبی اقلیتوں ۹۰ نے پاور کر لیا کہ اب سیکولرازم ہندو ۱۰۰ ازم کا ہم معنی ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب ثقافت کیا اور ملی تشخص کیا ان کا وجود بھی غیر مسلمانوں کا ممنون کرم ہو گیا۔

پنڈت نہرو نے کہا تھا کہ "اکثریت کی فرقہ پرستی ۱۱ اقلیت کی فرقہ پرستی ۱۲ سے کہیں زیادہ قوم پرستی ۱۳ کے قریب ۱۴ ہے" اور ان کی صاحبزادی سابقہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے کہا تھا "کوئی اقلیت اپنی اکثریت کو ناراض کر کے زندہ نہیں رہ سکتی"۔ اور مسز گاندھی کے صاحبزادے سابق وزیراعظم راجیو گاندھی نے ہندوستان کے مستقبل کو "رام ۱۶ راج" سے وابستہ کر دیا۔ ۱۷

قومی تہذیب کے فروغ اور استحکام کے لئے یوں تو بہت سے طریقے چھوٹے بڑے بیانے پر اپنائے گئے مگر چند خاص طریقے جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی تہذیبی و قومی زندگی سے ہے حسب ذیل ہیں۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل کرنا اور ان کو اپنی انفرادیت کے اصرار سے باز آنے پر مجبور کرنا ہے۔

وحدت ادیان ۱۹۔

مذہبی انفرادیت ۲۰۔ کا جو تصور مختلف قوموں میں بالخصوص مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اسے ختم کرنے کی بتدریج کوشش کی گئی یہ طے کیا گیا کہ تمام مذاہب کو سچا کہا جائے اور ان سب کی حقانیت اور یکسانیت کا تصور عام کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ سبھی مذاہب اچھے ہیں، کوئی بھی مذہب اختیار کر لیا جائے ایک ہی بات ہے کیونکہ سب ایک ہی منزل کے مختلف راستے ہیں اور سب خدا تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔ اگر ان میں کچھ اختلاف ہے تو بس اتنا ہے کہ کچھ ذیلی حقائق ہیں جن کا عرفان ان مذاہب کے بانیوں کو الگ الگ ہوا۔

وحدت ادیان کی تبلیغ کا اثر ایک ناقابل ذکر جدید طبقہ کے علاوہ عام مسلمانوں پر نہیں ہو سکا۔ اس کی ایک وجہ اگر غیر مسلموں کی مسلسل مخاصمت، مسلم دشمنی اور نسل کشی کی کوششیں رہیں تو دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اگر سارے مذاہب ایک ہی حقیقت کے مختلف روپ ہیں تو جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا ہے تو پھر غیر مسلموں میں شدید رد عمل کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام بے آمیز توحید پر قائم ہے۔ جب مسلمان یہ مان لے کہ سارے مذاہب سچے ہیں، نظریہ شرک بھی اور نظریہ الحاد بھی درست ہے تو پھر وہ مسلمان ہی نہیں رہ سکتا اس لئے کہ یہی کفر ہے، مزید یہ کہ ان

مذہب کے خدا پر یقین کو تسلیم بھی کیا جا سکتا ہے مگر رسالت اور ختم رسالت کا تصور جو کہ جزو ایمان ہے اسے کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی اور بھی بنیادی وجوہ ہیں جن کے باعث مسلمانوں کی اکثریت اس اعتقادی گمراہی کا شکار نہ ہو سکی۔

ہندو مسلم ازدواج

قومی تہذیب کی اساس کو مضبوط کرنے کے لئے مخلوط خاندان کا تصور عام کیا گیا، ہندو اور مسلم آپس میں شادی بیاہ کریں تاکہ ایک مشترکہ سماج جنم لے اور اس طرح وہ تہذیب رونما ہو جو ہندو مسلم کلچر کا امتزاج ہو۔ ہندو مسلم ازدواج کا تصور دانشوروں، صحافیوں اور سیاستدانوں کی طرف سے برابر پیش کیا جاتا رہا۔ اور قومی تہذیب کے فروغ میں اسے سب سے بڑا اور مؤثر قدم سمجھا گیا، نئی نسل کو اس کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کرنے کے لئے مخلوط تعلیمی ماحول، مخلوط ثقافتی سرگرمیوں اور وسائل نشر و اشاعت کو ذریعہ بنایا گیا۔ رواجی خاندان چونکہ ایسی شادیوں میں رکاوٹ بنتا ہے اس لئے خصوصی میرج ایکٹ کا سہارا دیا گیا۔ لیکن اس کا اثر بھی چند مغرب گزیدہ افراد کے علاوہ عام مسلمانوں پر نہیں ہوا۔ کیونکہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم خاندان میں شادی کر لینے کے بعد تا آنکہ اپنے جوڑے کو حلقہ بگوش اسلام نہ کر لے مسلم معاشرہ میں اپنی عزت و وقار کو بھی کھو دیتا ہے اور اسلام سے اس کا رشتہ بھی ایک رسمی اظہار سے زیادہ نہیں رہتا اس

لئے کہ مسلم سوسائٹی کی بنیاد خاندان پر ہے اور خاندان کی حفاظت کے لئے اللہ نے اگر زنا کو حرام قرار دیا ہے تو مشرک و ملحد فیصلی میں رشتہ ازدواج پر بھی پابندی لگائی ہے کیونکہ ان دونوں کتابوں سے اسلامی معاشرہ کی پختگی ہوتی ہے۔

یونینفارم سول کوڈ

دوستو ہند میں جہاں اقلیتوں کو تعلیمی مذہبی اور تہذیبی خود مختاری دی گئی وہاں یہ سفارش بھی کی گئی کہ حکومت اپنے تمام شہریوں کے لئے ایک یونینفارم ۲۱ سول کوڈ بنانے کی سعی کرے، یہ سفارش اتنی دور رس ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کی تہذیبی شناخت کا وہ پہلو بھی ختم ہو جائے گا جو مسلم پرسنل لاء کی شکل میں ابھی تک باقی ہے۔ اور جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی تہذیبی انفرادیت کا شعور و احساس ہوتا ہے یہ سفارش آج بھی موجود ہے اور اس میں سے مسلمانوں کا قطعی استثناء نہیں۔ یہ عائلی قوانین گو کہ مسلمانوں کے پاس ہیں مگر مختلف ایکٹ اور قوانین کے ذریعے موقع بموقع ان میں بھی ترمیم و تبدیلی کی کوشش ہوتی رہی تاکہ مسلمان قومی دھارے میں بننے کے لائق ۲۲ ہو جائیں۔ مگر مسلمانوں نے مسلسل احتجاج اور مطالبات کے ذریعہ ابھی تک کسی تبدیلی و تغیر کو قبول نہیں کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے اور اپنی تہذیبی قدروں کی حفاظت کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگرچہ یہ

بات بجائے خود محل نظر ہے کہ کیا اسلام مسلم پرسنل لاء تک محدود ہے؟ مگر ریسبل تنزل مسلم پرسنل لاء کی حفاظت بھی ہماری تہذیبی بقا کی ضمانت ہے۔

مغربی تہذیب

اسلامی تہذیب پر اصرار کرنے والوں اور اس کی حفاظت اور اشاعت میں سرگرمی دکھانے والوں کو بنیاد پرست (FUNDAMENTALIST) کا لقب دیا گیا اور ان کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ راسخ العقیدگی کی مذمت ہوئی اور اس کے مقابلے میں آزاد خیالی، آزادی اور لائبرلٹی کی ہمت افزائی کی گئی۔ مغربی طرز فکر کو بڑھاوا دیا گیا۔ یہ طرز فکر اخلاقی یا خشکی، جنسی آوارگی اور مذہبی تشکیک میں ہندو مت سے مشابہ ہونے کے باعث غیر مسلموں کے لئے قابل قبول تو ہو سکتی ہے مگر اسلام سے قطعی ہم آہنگ نہیں اور مسلمانوں کے لئے ہرگز سود مند نہیں۔ مگر اس کو قومی تہذیب کے فروغ کا زود اثر نسخہ سمجھا گیا اور ہر شعبہ حیات میں اس کی حاکمیت مان لی گئی۔ بعض دانشوروں نے یہ مشورہ دیا کہ :-

”ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے مشترک عناصر کے سلسلہ میں اگر جدید مغربی تہذیب کے عوامل (انگریزی زبان و ادب، جمہوری خیالات، سائنٹفک اور لیبرل نقطہ نظر، حیاتی، معاشی قدروں کی واجبی قدر شناسی) کو بھی شمار کر لیا جائے جنہوں نے ہندو مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کے

ایک چھوٹے سے مگر با اثر حلقہ کے ذہن کی تشکیل میں حصہ لیا ہے تو اتنی باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہم لازماً اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ مسلم اقلیت ہندوستان کی قومی تہذیب کے نقشہ میں اچھی طرح کھپ سکتی ہے۔“

مختصر یہ کہ قومی اور علاقائی سطح پر بہت سے منصوبے اور پروگرام بنائے گئے۔ سرکاری اور نیم سرکاری محکمیں چلائی گئیں اور ہمارے ارباب حل و عقد نے اپنی ساری کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو ہندوستانی باشندوں بالخصوص اقلیتوں کے ذہنوں سے تہذیبی امتیاز کا تصور ختم کر دیا جائے۔ تہذیب کے نام پر کچھ عبادات اور رسموں کی اجازت دے دی جائے اور تہذیبی شعائر ختم کر دئے جائیں۔ ہندو فرقہ کی مذہبی رعایت کرتے ہوئے کھانے پینے میں بھی حد بندی کی جائے ذبیحہ گائے پر پابندی ۲۵ء اسی لئے لگائی گئی اور ہندوستانی کلچر کو جو اپنے مزاج سے شرکانہ ہے قومی تہذیب کی شکل دی جائے۔ پھر ہندوستان کے سارے تہذیبی اور مذہبی گروہوں کا آئینہ زندگی بنا دیا جائے جبکہ دوسری طرف اجتماعی زندگی کے لئے جو سب سے زیادہ لازمی اور سودمند چیزیں تھیں انکو بحیثیت مجموعی نظر انداز کر دیا گیا۔ ہندوستانی باشندوں میں ’باہمی ہمدردی‘، ’ایثار‘، ’اتحاد‘، ’تعاون‘، ’فرض شناسی‘، ’حقوق کی ادائے گی‘، ’انصاف‘، ’امن پسندی‘، ’رواداری‘، ’وسعت ظنی‘، ’انسان دوستی‘، ’احترام آدمیت‘، ’مروت اور بھائی چارگی جیسے اخلاق و صفات کو پیدا کرنے اور نشوونما دینے کی کوئی سنجیدہ

کوشش نہیں کی گئی بلکہ اس کے برخلاف لسانی اور مذہبی گروہوں کے ساتھ امتیاز و تعصب اور جانبداری کا رویہ اختیار کیا گیا ہر شعبہ زندگی میں ان کو کمزور کرنے کی سعی کی گئی۔ ان کے خلاف نفرت، بغض، انتقام اور تعصب کا عوامی جذبہ پیدا کیا گیا یا کم سے کم اسے ہوا دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقلیتیں اور بھی حساس اور محتاط ہو گئیں اور وہ ساری کوششیں جو ”قومی تہذیب“ کے نام پر کی گئیں صدا بے صدا ثابت ہوئیں اور اب قومی تہذیب کیا ملکی سالمیت کی بھی کوئی ضمانت نہیں رہ گئی ہے۔

حواشی اور تشریحات

۱۔ ہندو ۳۲ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی کی سرکردگی میں کچھ مسلمان ہندو نقطہ نظر کے بہنو تھے۔ انہیں قوم پرست کہا جاتا تھا۔
 ۲۔ رحم اللہ تبارک و تعالیٰ علیمہ اجمعین ۳۳ قائد اعظم محمد علی جناح رحمت اللہ علیہ کی رہنمائی میں مسلمانوں کی اکثریت ۳۴ ہندو مت اور اسلام جدا جدا مذاہب کی بنا پر ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں لہذا انگریزی راج کے خاتمہ پر برصغیر ہندوستان کو تقسیم کر کے انہیں دو الگ الگ ممالک ہندو بھارت اور مسلم پاکستان بنا دئے جانے چاہئیں ۳۵۔ یعنی ان وجوہات کی بنا پر پاکستان میں اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص عملی شکل اختیار نہ کر سکے اور پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست نہ بن سکا

۶۔ مسلم قومیت اور ہندوؤں سے جدائی تشخص کے علمبردار اور ہندو بھارت کی ہندوانہ قومی تہذیب کو اپنانے کے مخالف مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ۷۔ اس پر ہندو مت کی چھاپ تھی ۸۔ مثلاً سکھ جو اپنی گورکھی (پنجابی) زبان کے بڑے فدائی ہیں ۹۔ بھارت کی نمایاں اور سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں ۱۰۔ اسی لئے تو میں کہا کرتا ہوں کہ قدیم محاورہ بغل میں چھری منہ میں رام رام کو "دل میں ہندو ازم منہ میں سیکولرزم سیکولرزم" کے الفاظ میں بدل دینا چاہئے ۱۱۔ ہندوؤں کی بنیاد پرستی ۱۲۔ مسلمانوں کا اسلام سے والہانہ لگاؤ ۱۳۔ کہ ہندو مسلم ایک ہی قوم اور تہذیب ہیں ۱۴۔ یعنی ہندو مت کو فروغ دیا جائے تو بھارت کے ایک قوم بننے کے امکانات روشن ہوں گے ۱۵۔ بھارت میں ہندو مت کی سرکاری سرپرستی اور ترقی و اشاعت پر مسلمانوں کو ناراض نہیں ہونا چاہئے، اگر مسلمان بھارت میں ہندو مت کے احیاء کا برا متائیں گے تو انہیں ختم کر دیا جائے گا ۱۶۔ ہندو مت کی حکومت، ہندوؤں کی مذہبی حکومت، ہندو راشٹر ۱۷۔ یہ تینوں اقوال نام نہاد سیکولر بھارت میں ہندوانہ عزائم کا تدریجی ارتقاء ظاہر کرتے ہیں۔ نہرو نے جو بات لپیٹ کر کہی تھی، اندرا گاندھی نے اس کی تشریح کر دی اور راجیو نے علی الاعلان کہہ دیا کہ بھارت ایک ہندو ریاست ہوگی ۱۸۔ یعنی بھارتی حکومت نے مسلمانوں کو ہندوؤں میں ملائے کے لئے مندرجہ ذیل چار اقدامات کئے۔

۱۹۔ وحدت ادیان : ہندو دانشور سر رابندر ناتھ ٹیگور نے ۱۹۳۰ء میں

لکھا ”ہندوؤں کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ لوگ (مسلمان) مذہب مذہب کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔ چنانچہ انڈیا ہمیشہ سے معاشرتی اکائی تعمیر کرنے کے تجربات میں مگن ہے۔ جس میں مختلف لوگ اپنے اختلافات قائم رکھتے ہوئے اکٹھے رہیں۔ تعلق ممکن حد تک ڈھیلا تاہم ماحول کے مطابق مضبوط بھی ہو۔ اس امر نے معاشرتی فیڈریشن کی ریاستہائے متحدہ کو جنم دیا ہے جس کا معروف نام ہندومت ہے۔

مشکلات کے باوجود انڈیا نے کچھ قدم آگے بڑھایا ہے اس نے لوگوں کے حقیقی اختلافات تسلیم کر کے انہیں اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان میں اتحاد کی بنیاد بھی تلاش کی ہے۔ یہ کام ہمارے صوفیہ نائیک، کبیر، چٹنیا وغیرہ نے یہ تعلیم دے کر سرانجام دیا ہے کہ سب لوگ ایک ہی خدا کو مان لیں۔“

اسی وحدت ادیان کی تبلیغ میں ہندو جوگی پنجاب میں گاتے پھرتے تھے۔

وڈی سمجھ ہے رب توں من لیناں
 دلوں کڈھنے خودی گنگن دونویں
 میں تاں میں کسناں پیا توں کسناں
 سوچی گل تاں غلط بیان دونویں
 سانوں ایکتا پئی دس آؤندی اے
 جدھر اکھیاں کرن دھیان دونویں
 دعوتی دین تے مذہب دا بنہ بیٹھے

جنگلڑا کرن ہندو مسلمان دونویں
 ایویں فرق ہے لفظ الفاظ اندر
 اکو بات ہے رام رحمان دونویں
 مطلب ایس دے دچہ نہ فرق کوئی
 فرق سمجھدے زمین آسمان دونویں
 اک ماں تے باپ دے جے پتر
 لین دھروں جے بات پچھان دونویں
 رب چھڈ کے پوجدے غیر تائیں
 دھکے دچہ بازار دے کھان دونویں

(”زندگی بلاس“ مصنفہ سادھو دیا سنگھ بی اے ۵۲ ویں سال دا حال)

یعنی ہندو خدا کو رام اور مسلمان رحمان پکارتے ہیں۔ یہ لفظوں کا
 ہیر پھیر ہے۔ اختلاف کچھ نہیں۔ اپنے مذہب پر اڑنے اور اسے ہی سچا کہنے
 کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔ خدا کو مان لینا اصل مذہب ہے۔ اس
 کے بعد یہ امور بے وزن ہو جاتے ہیں۔ ہمیں جسکے بھائیوں کی طرح مل جل
 کر رہنا چاہئے مذہب کے نام پر پھوٹ اچھی چیز نہیں۔

۲۰۔ کہ اسلام ہندو مت سے جدا مذہب ہے۔ اسلام ہی سچا مذہب ہے ۲۱۔
 تمام ملکی باشندوں کے لئے نکاح، طلاق، وراثت کے قوانین ایک ہی ہوں
 ۲۲۔ ہر ملک میں اقلیتی فرقوں کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ نکاح، طلاق،
 وراثت میں اپنے مذہبی احکام پر عمل کر سکتے ہیں ۲۳۔ اپنی مسلم اور اسلامی

انفراویت کو چھوڑیں ۲۳۔ اسی لئے تو پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا کہ اسلام صرف نکاح، طلاق اور وراثت تک ہی محدود نہیں ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس پر عملدرآمد ضروری ہے۔ ۲۵۔ سیکولرزم کی لاکھ علمبرداروں کے باوجود ہندو بھارت میں مذہب پسندی، ہندو مت اور ہندو بنیاد پرستی کو اس قدر تحفظ حاصل ہے کہ بھارتی آئین میں باقاعدہ طور پر گائے کا تقدس تسلیم کیا گیا ہے ۲۶۔ انہیں دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

انسانیت : تہذیب جدید نے ایک مذہب، انسانیت، کا تحفہ دیا ہے۔ جو اسلامی اقدار و شعائر کے لئے ہندو ”وحدت ادیان“ سے بھی بڑھ کر قیمتی قاتل ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ ان سے ملو، گلو، برتو، رہو، سہو، کھاؤ، پیو، سب سے محبت اور یکساں سلوک کرو۔ (مسلم) انفراویت اور امتیاز پسندی کا نام نہ لو۔

۱۹۸۳ء میں بھارت گیا تو میزبان خاندان کا ایک فرد مجھے اپنے ساتھ لے گیا وہاں اس کی زبانی پہلی (اور شاید آخری؟) مرتبہ مذہب ”انسانیت“ سے متعارف ہوا۔ میں نے اظہار پسندیدگی کیا کہ ”انسانیت“ اچھی چیز ہے۔ دراصل میں خوش ہوا تھا چلو بھارت میں ”انسانیت“ ترقی کرے اور اس بہانے ہی مسلمان بچے رہیں۔

ایک دن میں گھر کی دال سبزی کھا رہا تھا کہ بیرامرغ کا سالن لے آیا جسے میں نے نہ کھایا اس پر میرے دوست کہنے لگے بھی کھائیں نا یہی تو

”انسانیت“ ہے!

دہائی خدا کی میں سرپیٹ کر رہ گیا کہ میں جس ”انسانیت“ کو مسلمانوں کے حق میں زندگی سمجھ رہا تھا وہ تو ان کے دین و ایمان کی قاتل ہے! پر تالہ دیں کا دیں ہے! اور کسی بھی مذہب کے پیروکار کا کچھ نہیں بگڑتا!

”انسانیت“ کے پرستار کیا جانیں کہ جہاں ”انسانیت“ ختم ہو جاتی ہے وہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے مثلاً انسانیت کا معراج خدمت خلق ہے۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ راستہ سے پھریا کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دینا (خدمت خلق) اسلام کی ابتداء اور لا الہ الا اللہ (صرف اللہ پاک ہی کی عبادت کرنا) انتہا ہے!

لطف کی بات سنئے کہ نام نہاد ”انسانیت“ کی آڑ میں میرے اسلام پر ڈاکہ ڈالنے والا سکھ دوست اپنی گانٹھ کا پکا تھا کستا تھا گوردوارہ (سکھ مسجد) خدا کا گھر ہے جو کوئی جی چاہے وہاں جا کر رب رب کرے۔ ایک دن میں اس کے ساتھ لدھیانہ سے ۲۰ میل دور وہ گوردوارہ دیکھنے گیا جہاں گوروگووند سنگھ جی نے مفلوں سے مقابلہ میں زخمی ہونے کے بعد دو مسلمان بھائیوں نبی خان اور احمد خان کے ہاں پناہ لی تھی تو میرے اصرار کے باوجود اس نے مجھے گوردوارہ کے اندر نہ جانے دیا اور مجھے باہر ایک بچ پر ہی نماز پڑھنی پڑھی۔ وہاں مرگودھا کا ایک سکھ السلام علیکم کہہ کر مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ ہر بڑے گوردوارہ کے ساتھ لنگر خانہ ہوتا ہے، جہاں وقت

مقررہ پر ہر کس و نامکس کھانا کھا سکتا ہے۔ اعلان سن کر میں نے کہا لنگر کھا کر چلیں گے تو وہ لنگر کے انتظار میں وہیں جوتے اتار کر پیسٹر کی طرف منہ کر کے ہمارے ”قیام“ کی شکل میں مسودہ ہو کر بجھن (نذہبی گیت) سننے لگ گیا!

اگر آپ

- مسودت اور عیسائیت کے وسیع گھرے اور جدید مطالعہ
 - کتب سابقہ کی روشنی میں قرآن مجید کے معانی کی تفہیم
 - پاکستان میں اقلیتوں کے لیل و نہار اور
 - اسلام و پاکستان دشمن عناصر کی دوسرے کارروائیوں سے باخبر رہنا چاہتے ہیں تو
- ماہنامہ ”الہدایہ“

ملک پارک شاہد راولپور کا مطالعہ فرمائیں

ایڈیٹر	:	محمد اسلم رانا
سالانہ زر تعاون	:	مبلغ پچاس روپے
بیرون ملک	:	مبلغ پانچ سو روپے
ہر قسم کی خط و کتابت بنام	:	محمد اسلم رانا

دو سرائے

بھارتی سیکولرزم ایک عیسائی دانشور کی نظر میں

پاکستان کے ایک عیسائی دانشور جوشوا فضل دین نے بھارت کے سیکولرزم پر کیا خوب لکھا "غیر ہندو اقلیتوں کو شکانت حکومت اور سیاست میں سیکولرزم کے نفاذ کے خلاف ہے۔ بظاہر تو سیکولرزم اقلیتوں کو میٹھی نیند سلا رہا ہے جبکہ اندر ہی اندر ہر شعبہ حیات میں ان کے مقاولات پس پشت ڈالے اور ہر میدان میں ہندویت کے جھنڈے گاڑے جا رہے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر فی الحال تو سیکولرزم کا مصرف غیر ہندو اقلیتوں کے دلوں میں ان کے الگ وجود کی بقا کے بارے میں بد اعتمادی اور خوف و ہراس پیدا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ درحقیقت سیکولرزم نے بھارت میں خباثت کی فضا پیدا کردی ہے اقلیتیں محسوس کرتی ہیں کہ ان کا وجود خطرے میں ہے"

(Secularism in India)

by Joshua Fazal Din : 1961, P.40

مذکورہ سطور کی تحریر کے ۳۲ برس بعد جبکہ پلوں کے نیچے سے بے پناہ گزر چکا ہے ہندو سیکولرزم بے نقاب ہو چکا ہے اور اس کے لیادہ میں چھپا ہوا ہندومت کا بھیانک چہرہ صاف نظر آنے لگا ہے۔ ہندو جماعتیں پارٹیاں، تنظیمیں اور ادارے سیکولرزم پر علی الاعلان ہزار لعنت بھیجتے اور ہندومت کے احیاء کے برملا مطالبے کرنے لگے ہیں (اسلم)

بھارتی سیکولرزم کی حقیقت

ہندو مسلم چپقلش کے پس منظر میں ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں نے بھارت کو سیکولر سٹیٹ قرار دیا تھا۔ کہ یہاں مذہب کی رو سے کسی بھی فرد یا جماعت سے کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا اور سب ملکی باشندے بلحاظ مذہب باہم برابر سمجھے جائیں گے۔ لیکن ہندو بھارت عملاً "ایک کٹر فرقہ پرست" زبردست متعصب، شدید مذہبی جنون میں مبتلا و مستغرق، بنیاد پرست اور انتہا پسند ہندو ملک ہے۔ جہاں دیگر مذاہب کے پیروکاروں یا مخصوص مسلمانوں کے لئے قطعاً کوئی جگہ نہیں ہے۔ بھارتی سیکولرزم کا وجود صرف کاغذی کارروائیوں میں ہے۔ عملی طور پر مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی کی راہوں میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ بھارت کی ہندو فرقہ وارانہ تنظیمیں مسلمانوں کے حقوق اور ترقی کی راہ میں طویل عرصہ سے روڑے اٹکا رہی ہیں۔

ارباب اقتدار کھلم کھلا ہندو رسومات اور تقریبات میں حصہ لیتے اور اس کوئی وی پر دکھاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی سیکولر ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اپنے مذہبی عقیدہ کی شہرت کے لئے سرکاری ذرائع و وسائل کا استعمال، صحافیوں کو ایسی تقریبات میں سرکاری خرچ پر ہوائی جہازوں میں لے جانا اور ان دوروں کو سرکاری کھاتے میں ڈالنا عام ہے۔

صدر جمہوریہ بھارت ڈاکٹر منکر دیال، شریا تیروچی مندر کے بھگت ہیں۔ اگر وہ دیوی کو خوش کرنے کے لئے وہاں جا کر سر کے بال اترواتے ہیں تو یہ ان

کا ذاتی فعل ہے لیکن اس مقصد کے لئے ایئر فورس کے ہوائی جہاز میں وہاں جانا اور ایسے دوروں کی ریڈیو اور فی دی پر تشیر سیکولرزم نہیں ہندومت ہے۔

یہی امتیاز یا تضاد سرکاری پالیسی میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ حکومت آر ایس ایس کے خلاف ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس نے مذہب کو سیاست میں ملا دیا ہے بلکہ اس لئے کہ اس نے کانگریس کو یہ ظاہر کرنے کے لئے مجبور کر دیا ہے کہ کس طرح اس کا ایک پاؤں مذہب اور دوسرا سیکولرزم ہے۔ کانگریس کا موقف بھی واضح نہیں ہے۔ وہ سمجھوتے کرتی ہے اس کا قول عمل سے مختلف ہے اس لئے سیکولرزم کے نام پر وہ جو کچھ کہتی اور کرتی ہے وہ مشکوک ہے۔

(محمد اسلم رانا)

مندرجات کی اہمیت

کے پیش نظر اس کتاب کی بین الاقوامی سطح پر تبلیغ و اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے، اگر کوئی صاحب اس کا انگریزی ترجمہ کر سکیں تو مطلع فرمائیں۔ ممکنہ اصل انگریزی اقتباسات میں مہیا کر دیں گے۔ فضلہ تعالیٰ (اسلم)

بھارتی سیکولرازم کا بے نقاب چہرہ

تلسی داس کی رام چترانس کی ریکارڈنگ کے لئے اول درجہ کے گانے والوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اور اس پر ایک کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔۔۔۔۔۔ یہ کام کسی پرائیویٹ کمپنی نے نہیں ”سیکولر“ سرکار کے ”سیکولر“ ادارے آل انڈیا ریڈیو نے کر لیا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کے ۵۳ ریڈیو اسٹیشن ہر روز صبح دس منٹ کے لئے یہ پروگرام نشر کریں گے، اس کی نشریات ۳۰۸ دنوں میں مکمل ہوں گی۔ آل انڈیا ریڈیو کی تاریخ کا یہ سب سے مزگا اور سب سے طویل پروجیکٹ ہے۔۔۔۔۔۔ سارا کام خاموشی سے ہوا اور کام مکمل ہونے پر ہی یہ باتیں سامنے آئی ہیں۔۔۔۔۔۔ اس سے پہلے ٹیلی ویژن پر رامائن سیریل ٹیلی کاسٹ کیا گیا تھا، اس کی تیاری میں بھی یہی رازداریاں برتی گئی تھیں۔

رام چترانس، رامائن، مہابھارت ان سب کا تعلق ایک خاص مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ ہے یہ ان کا مذہبی اور دھارمک پروگرام ہے۔ مسلمانوں عیسائیوں وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

○ اسی ہندوستان میں مسلمان بھی جیتے ہیں جن کے آئینی حقوق آئین کی حد تک وہی ہیں جو ملک کے دوسرے باشندوں کے ہیں۔۔۔۔۔۔ سال میں مسلمانوں کی دو تقریبات ہوتی ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں تقریبات کا تعلق رویت ہلال سے ہے۔ رویت ہلال کے اعلان کا ایک شرعی ضابطہ ہے جس میں ذمہ وار بذات خود اعلان کرے تو وہ پورے ملک کے

لئے معتبر ہو سکتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی کی ایجاڈات نے یہ موقعہ دیا ہے کہ ایک جگہ چاند نظر آ جائے تو پورے ملک میں اس کا اعلان معتبر ذمہ دار آدمی خود کر دے۔ ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں یہی صورت ہے۔

ہماری سیکولر سرکار کے سیکولر نشریاتی اداروں کے پاس اس کے لئے سال میں دو دفعہ چند منٹ کا وقت نہیں ہے۔۔۔۔۔ جس زمانے میں فخر الدین علی احمد صدر جمہوریہ تھے اس کی کوشش کی گئی مگر بات نہ بن سکی اور بن کیسے سکتی تھی۔

بدلتی ہے جس وقت ظالم کی میت

نہیں کام آتی دلیل اور حجت

جبکہ رام چترانس کی روزانہ دس منٹ کی نشریات کے لئے ۳۰۸ دنوں کا وقت ہے۔

یہ ہے وہ سیکولر ازم جس کا شاندار نمونہ ہمارے سامنے ہے۔

”دارالسلام“ (شکریہ ”دارالسلام“ مالیر کو ٹلہ بھارت جون ۱۹۹۱ء)

بہمنی کے مسلمان پرامن اور خوشحال تھے۔ لٹنے پٹنے والے مسلمانوں کو سارا تھا۔ بی بی کی حکومت کے زیر اثر ان بیچاروں کی بھی شامت آگئی ہے (اسلم)۔

تیسرا حصہ

بھارت کو ہندو ملک بنایا جائے گا

نئی دہلی (مانیٹرنگ ڈیسک) اگتھا پسند بھارتی ہندوؤں کی تنظیم ”وشوا ہندو پریشد“ کے لیڈروں نے انکشاف کیا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانے کی مہم کے دوران

گزشتہ دس برس میں ۲۳ لاکھ سے زیادہ مسلمان اور عیسائی دوبارہ ہندو بنائے گئے ہیں اور اس طرح اس مہم کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو

رہے ہیں بی بی سی کے مطابق ”وشوا ہندو پریشد“ کے لیڈروں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس سال اجمیر شریف میں نو سو مسلمان دوبارہ ہندو مت اختیار کر لیں گے۔ ایسی ہی تقریبات دوسرے کئی شہروں میں بھی ہوں گی۔

جن میں سینکڑوں مسلمان اور عیسائی دوبارہ ہندو مت اختیار کرنے کا اعلان

کرتے ہیں گے۔ ”وشوا ہندو پریشد“ کے لیڈروں نے یہ بھی کہا ہے کہ بھارت میں بسنے والے ۱۴ کروڑ مسلمان اور عیسائی پہلے ہندو ہی تھے اور ان سے ظلم

دہتا رہا اور زبردستی کے ذریعے اپنا مذہب چھڑوا دیا گیا۔ اب وہ پھر جوق در جوق

اپنے آبائی مذہب میں داخل ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ”وشوا ہندو پریشد“

کے لیڈروں نے کہا کہ ہم بھارت کو ہندوؤں کا ملک بنانا ہی دم لیں گے۔

(نوائے وقت ۹۳-۱-۱۰)

ہندو مت کے پیروکاروں میں اضافہ

مغربی جرمنی کے ایک مسیحی ادارے کی رپورٹ کے مطابق اسلام ہی واحد مذہب ہے جسے مقبولیت عامہ حاصل ہے اور ہر سال قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد ۱۶ فیصد ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہندو مت کا نمبر ہے اس کو قبول کرنے والوں کی تعداد ۱۳ فیصد ہے۔ تیسرے نمبر پر بدھ مت ہے اور چوتھے نمبر پر عیسائیت ہے۔ عیسائیت قبول کرنے کی تعداد ۱۱ فیصد ہے۔

ہندو مت کے بارے میں رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ مذہب چونکہ صرف بھارت میں اور بھارت میں ہے تبدیلی مذہب کسی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنا پر نہیں اور نہ لوگ اس مذہب سے متاثر ہو کر اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں بلکہ ہندو مت کو تو لوگ خوف، ڈر، دہشت گردی، نسلی منافرت اور پریشانی کی وجہ سے قبول کر رہے ہیں کیونکہ ہندو تعصب کی بنا پر ان لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا حرام کر دیتے ہیں جن کا تعلق کسی اور مذہب سے ہو۔ کچھ عرصہ ہوا ایک اعلیٰ پائے کے بھارتی دانشور نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے خود سرکاری رپورٹوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا تھا کہ بھارت میں کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کا زندہ رہنا ایک معجزے سے کم نہیں کیونکہ ان غیر ہندوؤں کو نہ سرکاری ملازمتیں ملتی ہیں نہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے نہ انہیں عام بھارتی ہندوؤں جیسے حقوق حاصل ہیں۔ ان سے دوسرے درجے کا ہی نہیں بلکہ تیسرے اور

چوتھے درجے کے شرعی کا سلوک کیا جاتا ہے اور حالت یہ ہو گئی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ اپنی خیر و عافیت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے اپنا مذہب چھوڑ چھوڑ کر ہندو مت کے آشرم میں پناہ لے رہے ہیں۔ پھر بھی انہیں پناہ نہیں ملتی اور وہ بیچارے ہندو تعصب کی قربان گاہ پر اس طرح بھیٹ چڑھ جاتے ہیں جس طرح ہندو جانوروں کو ہلاک کرتے ہیں اس لئے ہندو مت کا پھیلاؤ صرف اس وقت تک جاری ہے جب تک تعصب کا بازار گرم ہے۔ جو نئی یہ تعصب ختم ہوا ہندو مت کی ویواریں ریت کی ثابت ہوں گی۔ (نوائے وقت ۸۶-۵-۱۵)

چوتھا حصہ

المناک اور حیرت انگیز

۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو باری مسجد کی شہادت سے لے کر اب تک برابر ظلم پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں اور جیلیں بھی مظلوم مسلمانوں ہی سے بھری جا رہی ہیں۔ جبکہ شریعت اور غنڈے سرعام دندنااتے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو ڈراتے دھمکتے بھی ہیں کہ ان کے خلاف رپورٹ نہ کرنا ورنہ مزید بربادی کریں گے۔ پولیس الگ مسلمانوں کو ہی قصور وار ٹھہراتی ہے اور رپورٹ کرنے والے کو (TADA) میں گرفتار کرتی ہے۔ یہ دفعہ ملک دشمن عناصر اور دہشت گردوں (سکھوں اور کشمیریوں) پر لگائی جاتی ہے۔ جس کے تحت گرفتار شدگان پر کوئی مقدمہ، ضمانت، 'داو' فریاد نہیں ہوتی۔

انتہا پسندوں نے قرآن حکیم کو ہندوستان میں پڑھنا، اشاعت اور رکھنا ممنوع قرار دینے کے لئے سپریم کورٹ میں درخواست دی ہے۔ گویا اب ہندوؤں نے طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے، قرآن شریف کی اشاعت اور قرآنی تعلیمات کی تبلیغ کو سرکاری طور پر ممنوع قرار دیا جائے۔ رٹ میں (کم علمی یا تعصب کی بنا پر) بعض آیات قرآن کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر غلط ترجمے کے ساتھ پیش کر کے اپنے مذموم مقصد کو ثابت کیا گیا ہے (تخصیص از ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی جولائی

ہندو وحشت و درنگی کی انتہا

گذشتہ تین مہینوں سے ان صفحات میں ہم بامری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد رونما ہونے والی وحشت و درنگی پر مسلسل انگلی باری کر رہے ہیں۔ کیا کریں؟ آنسوؤں کا طوفان رکتا ہی نہیں۔ ایک بامری مسجد ہی کا غم ہوتا تو وقت اسے شائد مندل کر دیتا لیکن اس کے ڈھائے جانے کے بعد سے مصائب و آلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے۔ مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو، تشخص، امتیاز، قومیت، مذہب، عقیدہ، ایمان اور تہذیب کوئی چیز بھی سلامت نہیں ہے۔ مساجد، معابد، مآشر اور مقامات سب ہی زمین بوس ہو رہے ہیں۔ ایک زخم بھرتا نہیں کہ دوسرا اس سے بکری زخم لگا دیا جاتا ہے۔

یہ ہندو تو (ہندو ازم) نہیں وحشت و درنگی کا طوفان ہے۔ اور رام کے بھیس میں راونوں کا لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے امنڈ پڑا ہے۔ حکومت ہی کہاں ہے اور اگر ہے تو اس نے وحشیوں اور درندوں کو صدائے عام دیدی ہے کہ مسلمانوں کا خون خواجہ کریں، انہیں اور ان کی املاک کو پھونک دیں اور ان کی عورتوں کی اجتماعی عصمت وری کریں۔ جنگ کے اس راج میں شریہندوں اور غنڈوں کو من مانے کرنے اور مسلمانوں کو "سبق" دینے کی پوری آزادی ملی ہوئی ہے۔

حکومت کا معیار اکہرا ہوتا، اگر وہ نیک نیت اور انصاف پسند ہوتی تو

مسلمانوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا کیوں ملتی؟ اور ان کے ساتھ جارحیت اور تشدد کا مظاہرہ کرنے والوں کو کھلی چھٹی کس طرح ملتی؟ بھارتیہ جنتا پارٹی تضاد بیانی، جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنانے کی بڑی ماہر ہے۔ پہلے اس کے چوٹی کے لیڈروں نے مسجد کو ڈھائے جانے کو غلط اقدام کہا۔ اسی بنا پر یوپی کے وزیر اعلیٰ اور مسٹریڈوانی اپنے اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے تھے۔ مگر اب حکومت کی ڈھیل سے یہی لوگ اجودھیا کے واقعہ پر فخر کرنے اور ۶ دسمبر کو قومی انقلاب کا دن کہنے لگے ہیں اور وزیر اعلیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس واقعہ پر نہ انہیں ملال ہے اور نہ پچھتاوا۔ یہی وزیر اعلیٰ عدالت میں بیان دیتے ہیں۔ کسی اور کا کیا شکوہ خود وزیر اعظم صاحب شروع میں یہ تکرار اپنے کو بے خطا کہنے کے علاوہ مسجد کی از سر نو تعمیر کی بات بھی کرتے تھے مگر اب یہ سب بھول کر ان کو صرف اپنے اقتدار کے تحفظ کا ایک نکاتی پروگرام ہی یاد رہ گیا ہے اور فرمانے لگے ہیں کہ مندر مسجد کا معاملہ چار سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔

ایک غم ہو تو اس کا مداوا ڈھونڈا جائے اور ایک درد ہو تو اس کا درماں تلاش کیا جائے!

(ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ۔ بھارت فروری، مارچ ۱۹۹۳ء)

ہندو بھارت کے جہنم میں جلتے ہوئے مسلمان

آزاد مسلم پاکستان میں بسے رہتے مسلمانوں کو بھارتی مسلمانوں کے جان گسل حالات کا کچھ بھی ادراک و اندازہ نہیں ہے۔ وہ وہاں ہر وقت لرزاں ترساں اور سسے سسے رہتے ہیں۔ کہ پتہ نہیں ہندو دشمن کب ان کی عصمتیں لوٹنے، گھربار پھونکنے اور جنتی بیوی دکانوں، جائیدادوں اور فیکٹریوں میں ان بچاروں کو رسیوں سے باندھ باندھ کر زندہ نذر آتش ہونے کے لئے پھینکنے لگ جائیں گے۔

ایک مسلم جریدہ ماہنامہ ”الاندلس“ حیکم پورہ، گوئڈہ، یو پی، بھارت اپریل ۱۹۷۳ء بھارتی مسلمانوں کے جلتے ہوئے دل کے پھپھولے ان الفاظ کے روپ میں دکھاتا ہے: ”ہندوستان کے موجودہ حالات بڑے کٹھن، صبر آزما اور مایوس کن ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اسلام کے دشمن اسلام کا چراغ گل کر دیں گے۔ منظم پلان کے تحت مسلمانوں کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مسجدوں کو منہدم کیا جا رہا ہے اور برسرعام اسلام کی تضحیک کی جا رہی ہے۔“

ہندو، جیلوں بہانوں سے مساجد اور مسلمانوں کی جائیدادیں تباہ برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ”بیبی میونسپل کارپوریشن نے شہر میں ہزاروں عمارتوں کو بلڈ ڈزروں کے ذریعہ تھس تھس کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے جس کے تحت ۲۵۸۳۶ مینہ ناجائز عمارتوں کو منہدم کیا جائے گا۔ ان میں اکثریت مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ ۳۲۶ مساجد بھی شامل

ہیں۔ تاہم ۳۰ مندروں کو قانونی حیثیت دیدی گئی ہے۔ کارپوریشن نے سب سے پہلے سلیم تلوار نامی مسلمان کی چار منزلہ عمارت جس میں ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس تھا، کو سینکڑوں پولیس والوں کی موجودگی میں توڑ ڈالا ہے۔
(”اخبار رضا“ لاہور جون ۱۹۹۳ء)

ہندو بھارت میں بھی سیاسی جماعتیں مسلم دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ کانگریس ایک معتدل جماعت تھی۔ مسلمانوں کو اس کا تھوڑا بہت برائے نام سارا تھا، لیکن مذکورہ جریدہ شمارہ مارچ ۱۹۹۳ء کے جگر پاش الفاظ میں ”آج کانگریس کو مسلم کشی اور مسلم اقدار کی پامالی کا چسکا لگ چکا ہے۔“

اخذ و ترتیب: (محمد اسلم رانا)

بہمی میں گذشتہ ماہ بم دھماکوں کے بعد وہاں کی مسلم آبادی پر جینا حرام کر دیا گیا ہے۔ پردہ دار مسلمان گھریلو خواتین بھی پولیس کے ظلم سے محفوظ نہیں ہیں۔ ”مشکوٰۃ“ علاقوں کی پردہ دار خواتین کو علاقہ کے تھانہ میں روزانہ حاضری کا حکم دیا گیا ہے۔

ہے کوئی دردمند اسے پڑھنے والا؟

اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ تقسیم ہند کے نتیجے میں قیام پاکستان کے بعد سے اب تک ہندوستانی مسلمان ایک مذبح میں زندگی گزار رہے ہیں۔ قتل اور خونریزی کے مناظر عام ہیں۔ شام ایک قتل عام کا ماتم کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے اور صبح ایک نئے قتل عام کا ”مژدہ“ سناتی ہے۔ گذشتہ ۴۵ برسوں میں ہونے والے مسلم کش فسادات کی تعداد پچاس ہزار سے کچھ کم نہیں ہوگی۔

اس سے بڑھ کر فکر و نظر کا زوال اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس امت نے مسلسل سات سو سال تک اس ملک کی سیاسی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہو جو ایک عرصہ دراز تک اس ملک کے سیاہ و سفید کی مالک رہی ہو، جس ملک کے چپے چپے پر اس کی عظمتوں کو نشان ثبت ہوں اور جس ملک کے ذرے ذرے میں اس کے اسلاف کا لہو خوابیدہ ہو، وہی امت آج اسی ملک میں اپنی جان و مال کے تحفظ اور بقا کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔ (جریدہ ترجمان، دہلی، (۱۰ ستمبر ۱۹۹۲ء) لاہور، یکم جنوری ۱۹۹۲ء)

بھارتی مسلمانوں کی حالت زار (۱)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا جھوٹا کھا سکتا ہے۔ ایک ہی گلاس سے ہر مسلمان پانی پی سکتا ہے لیکن ہندو مت میں ایسا نہیں ہے بلکہ ہندو دھرم کے مطابق تمام غیر ہندو بیچ ذات (پلید) ہیں ان کے ساتھ کھانے پینے سے ہندو دھرم ششٹ ہو جائے گا۔ خود ہندو پلید ہو جائے گا اور اپنے دینی دائرے سے خارج ہو جائے گا جبکہ عیسائی جو صاحب کتاب ہیں ان کے ساتھ مسلمان بیٹھ کر ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھا سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی ہندو کی مٹھائی یا پوڑیوں کی دکان سے آپ کھانا لینا چاہیں تو ہندو دکاندار مسلمان کو کھانا پکڑاتے ہوئے خیال رکھے گا کہ اس کے کھانا دینے والے ہاتھ کے ساتھ مسلمانوں کا ہاتھ مس نہ ہو جائے (چھو نہ جائے) کیونکہ ان کے نزدیک مسلمان پلید تھا اور ہے۔ اسلام تو ہم پرستی اور مافوق الفطرت عناصر سے خوف زدہ ہونے کی بجائے تسخیر کائنات پر راغب کرتا ہے اور لوگوں کو آخرت کی بہتری کی خاطر صرف اللہ سے خوف زدہ رہنے اور عذاب آخرت سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے جبکہ ہندو مذہب میں تو ہم پرستی بعض جگہ جزدین کی حیثیت رکھتی ہے مثلاً آج ۲۰ صدی میں بھی درخت کی پوجا اور توہمات سے مغلوب ہو کر جادو، تعویذ گنڈے کے بل پر خود کو ماسون اور محفوظ سمجھا جاتا ہے اور باور کیا جاتا ہے کہ یہ بے جان اشیاء اور مردے ہمارے نجات دہندہ ہیں۔ جبکہ اسلام عمل صالح کی تلقین کرتا ہے

کیونکہ اعمال صالحہ ہی نجات اخروی کا سبب ہونگے غرض اس قسم کے شدید اختلافات کے باوجود دونوں قومیں اجتماعِ ضدین کے مطابق کسی نہ کسی طرح گزر بسر کرتی رہی ہیں۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندوؤں نے بڑے بڑے عہدے مناسب اور جاگیریں حاصل کیں۔ راجے مہاراجے کھلائے۔ ہزاری اور ہفت ہزاری ہوئے اور جب انگریز آئے تو انہوں نے اس غیر ملکی طاقت کے ساتھ عہدِ وفاداری کیا تاکہ مسلمانوں کو زندگی کی دوڑ میں اتنا پیچھے چھوڑ دیا جائے کہ وہ صدیوں تعاقب کرنے کے بعد بھی ہندو کی گرد کو نہ پا سکیں۔ لیکن ہوا یہ کہ مسلمان قوم کو بیداری نصیب ہوئی۔ ایک علیحدہ مملکت کا قیام مسلمانوں کا نصب العین قرار پایا اور اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان بن گیا۔ اس کے بعد پاکستان کچھ تو طرح طرح کے مسائل سے فیرو آ رہا اور کچھ بعض سیاست دانوں کی عاقبت نااندیشیاں رنگ لاتی رہیں لیکن ہندو قوم نے ایک منظم قوم کی طرح مسلمانوں کو ہندوستان میں ختم کرنے کے لئے غیر محسوس قسم کے دور رس منصوبے بنائے اور عمل شروع کر دیا۔ اور آج بھارت میں مسلمان جس قسم پرسی اور مجبوری کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا اندازہ مشکل سے ہو گا۔

(شکریہ ماہ نامہ فیض الاسلام راولپنڈی جون ۱۹۹۳ء)

بھارتی مسلمانوں کی حالت زار (۲)

”برصغیر ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ملت اسلامیہ کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ وہ اس ملک میں اپنی ملی، اسلامی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی دعوتی اور دینی ذمہ داری کو کس طرح ادا کرے؟ یہ ملت جسے دنیا کی امامت اور رہبری کا مقام عطا ہوا ہے، جو صرف اپنے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے برپا کی گئی ہے، اس ملک میں اپنے مسائل میں بری طرح گھر کر رہ گئی ہے۔ اس کو اس طرح الجھانے کی کوشش متواتر کی جا رہی ہے کہ اس کو اپنی اصل اور حقیقی ذمہ داری کا خیال نہ آ سکے۔ کبھی اس کے جذبات کا رخ کسی مسجد کے مسئلہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے، کبھی فتنات کی کالی آندھیاں اس کو اس طرح گھیرتی ہیں کہ اسے اپنی جان و مال و آبرو کی فکر پڑ جاتی ہے، کبھی اس کو اس کی زبان سے بیگانہ کر کے اس کا رشتہ اس کی تاریخ اور تہذیب سے کاٹنے کی کوشش ہوتی ہے، کبھی اس کو بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے یہ ملت تعلیم کے اعتبار سے پس ماندہ ہوتی جا رہی ہے، اخلاقی بگاڑ پھیلتا جا رہا ہے، اجتماعی شعور بیدار نہیں ہے۔ جذباتیت اور سطحیت کی طرف جھکاؤ بڑھ رہا ہے۔ سنجیدگی، مسائل کی سنگینی کا احساس دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ غرض مشکل حالات نے ملت اسلامیہ ہند کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے“ (ماہنامہ ”دارالسلام“ مالیر کوئٹہ۔ بھارت، بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء)

بھارت سے ایک جگرپاش رپورٹ

(ڈاکٹر سید قاسم رسول، الیاس رکن مجلس نمائندگان جماعت اسلامی ہند)

بھارت کے مسلمانوں کے بارے میں ایک سرسری بات تو یہ کہی جاسکتی ہے کہ ان کا مستقبل غیر یقینی ہے لیکن یہ ایک مکمل بات نہیں ہے۔
جنس اور نسل صورت اس سے بہت مختلف ہے۔

اچھی بات یہ کہ جب ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم ہوئی اس میں وہ لوگ جو پاکستان نہیں گئے جنہیں یہ پتہ تھا کہ پاکستان بن جانے کے بعد بھی ان کا علاقہ پاکستان میں غنیم نہیں ہو گا پھر بھی انہوں نے پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اس تحریک میں مدراس اور کیرالا کا علاقہ زیادہ متحرک تھا۔ پاکستان کے قیام سے جو جذباتی رشتہ ان لوگوں کا رہا ہو گا اس کا اندازہ آپ خود کر لیں۔ پاکستان جب بن گیا تو ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی عجیب و غریب حالت ہو گئی۔ شمالی ہندوستان کی ایک اچھی خاصی تعداد منتقل ہو کر پاکستان چلی گئی۔ تقسیم ہند کے بعد پنجاب، ہریانہ، یوپی، بہار میں قسبات کا ایک ہولناک سلسلہ چل پڑا۔ شاید آپ کو اس بات کا علم ہو کہ پنجاب کے زیادہ تر لوگ منتقل ہو کر پاکستان چلے گئے۔ لیکن جو بات شاید معلوم نہ ہو وہ یہ ہے کہ ہریانہ اور دیگر علاقوں میں جو مسلمان بچ گئے تھے ان میں زیادہ تعداد آریہ سماجی تحریک سے متاثر ہو کر مرتد ہو گئی تھی اور

آج بھی پنجاب میں ساڑھے تین لاکھ، ہریانہ میں ساڑھے تین لاکھ اور دہلی کی سرحد پر ستر ہزار مرتدین ہیں۔ پاکستان بننے کا الزام ہندوستانی مسلمانوں پر عائد کیا گیا جس کا خمیازہ ایک عرصہ تک ہندوستان کے مسلمان بھگتے رہے۔ ان کے اندر احساس کستری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی طور کما گیا کہ آپ کو جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ حاصل کر چکے اب آپ کو ہندوستان کے قومی دھارے میں بسنا ہو گا۔ اس موقع پر ہندوستان میں دو طرح کے دھارے چلے جس کی زد میں مسلمان آئے۔ (۱) برہمنی سماج کے ہندو قوم پرست (۲) جارج ہندو قوم پرست۔

ہندوؤں کے یہاں ورنا سٹم یعنی ذات پات کا طریقہ ہے۔ اس میں ہندوؤں کے اونچے طبقے کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے دور حکومت میں بھی اس طبقے کے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے بعد آزاد ہندوستان میں اس طبقے کو خوب پھولنے کا موقع ملا چنانچہ برہمنی سماج کے ہندو قوم پرست نے سوچا کہ جس قوم نے ہندوستان پر ساڑھے سات سو سال تک حکومت کی ہے اسے اتنا کمزور کر دیا جا۔ کہ دوبارہ اقتدار میں آنے کے لئے سوچ نہ سکیں۔ دوسری بات یہ کہ برہمنی نظام یا ہندو حکومت کو اگر سب سے زیادہ خطرہ ہے تو مسلمانوں سے ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کے اندر ذات پات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے وہ طبقہ جو ہندوؤں میں معنوب ہے، جسے ہر جگہ کہتے ہیں دو بڑی تیزی سے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو رہا

ہے۔ اس سے ہندو مزید پریشان ہیں چنانچہ ایک طرف اس بات کی کوشش جاری ہے کہ مسلمانوں کو سماجی، سیاسی، معاشی اعتبار سے اتنا پست کر دیا جائے کہ وہ آواز اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں اور ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ مسلمان اپنے مسائل ہی میں الجھے رہیں۔ دوسری طرف فسادات کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی جائے جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت کی دیوار کھڑی ہو جائے اور یہ آپس میں نہ مل سکیں چنانچہ میڈیا نے عوام کو اسلام سے متنفر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جہاں مسلمان معاشی طور پر بہتر تھے ان کو کمزور کرنے کے لئے فسادات کئے گئے۔ احمد آباد، رانچی، میرٹھ، مراد آباد، علی گڑھ، بھونڈی، بمبئی اور دیگر علاقوں کو نشانہ بنایا گیا۔ برہمنی ہندو گروپ کا موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو نشانہ نہیں بنانا چاہئے۔ ان کی جان و مال کو نقصان نہ پہنچاتے ہوئے ان کے فکر اور خیالات کو تبدیل کیا جائے، چنانچہ یہ گروپ کانگریس کے لہوے میں سامنے آیا جس نے ہندوستانی قوم پرستی کا نعرہ لگایا اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی کہ ہندوستان میں رہنا ہے تو ----- ہندوستان کے عام دھارے کا ایک حصہ بن کر رہنا ہو گا۔ اپنا تشخص، اپنی شناخت رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس موقف کی وضاحت کے لئے مختلف قسم کی تعریفیں کی گئیں۔ مثلاً ایک تعریف تو یہ کی گئی کہ ہندو کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی ہندوستان میں پیدا ہوا ہے وہ ہندو ہے خواہ اسلام کا ماننے والا ہو، سکھ ہو، بودھ ہو، عیسائی

ہو، آتش پرست ہو سب کے سب ہندو ہیں۔ مزید یہ کہا گیا کہ مسلمان جو اپنا رشتہ عرب سے آئے ہوئے بزرگوں سے جوڑتے ہیں انہیں چاہئے کہ ہندوستان کے بزرگوں (ہندوؤں سے) سے اپنا رشتہ جوڑیں چنانچہ ایک دھارا تو یہ تھا کہ جو اسلامی خیالات کو تحلیل کرنے کی پوری کوشش کرتا رہا۔ ہندو قوم پرستوں کا دوسرا طبقہ جارج ہندو قوم پرستوں کا ہے جس میں ساری ہندو متعصب جماعتیں آر ایس ایس کی لیڈر شپ کی سربراہی میں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ کانگریس تو یہ کہتی تھی کہ ہم آہستہ آہستہ مسلمانوں کو قومی دھارے میں کھینچ لائیں گے لیکن اس طبقے نے کہا کہ کانگریس کا مسلمانوں کے سلسلے میں جو منصوبہ ہے وہ بہت لمبا ہے اور جو نتائج کی توقع کانگریس کر رہی ہے وہ پورے ہوں گے بھی یا نہیں لہذا جارج بن کر مسلمانوں پر ہر چار جانب سے حملہ کرنا چاہئے، مسلمانوں کی جان و مال پر، عزت و آبرو پر، ان کے دین و ایمان پر۔ ہر طرح سے انہیں کھینچ کر پھینکنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس طبقے میں بھی کلیدی حیثیت برہمن ہی کو حاصل تھی اس کے علاوہ آپ دیکھیں کہ ہندوستان میں خواہ جمہوری پارٹی ہو یا متعصب پارٹی، لیڈر شپ برہمنوں کے ہاتھ میں رہے جبکہ برہمنوں کی تعداد اعداد و شمار کے مطابق ۳۵ فیصد ہے لیکن بیوروکریسی سے لے کر جتنے بھی اہم ادارے ہیں وہاں اسی سے پچاسی فیصد یہ لوگ حاوی ہیں۔ یا دوسری جانب سے اگر ہم دیکھیں کہ ہندوستان کے اونچے طبقے کے لوگ جن کی تعداد ۵۵ فیصد ہے وہ ملک کے پچاسی فیصد لوگوں پر حاوی ہیں اور وہی حکمرانی

کر رہے ہیں۔ بقیہ آبادی کا حصہ پسماندہ طبقے، مسلمان اور دیگر اقلیتوں پر مشتمل ہے۔

غور کرنے پر ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو جتنا نقصان کانگریس کی ہندو قوم پرست تنظیم سے ہوا اتنا آر ایس ایس کی جارح قوم پرستی سے نہیں ہوا بلکہ اس کا برعکس نتیجہ نکلا۔ کانگریس سے نقصان یہ ہوا کہ ہمارے ہاں کی مذہبی جماعتوں کو کانگریس کے کلچر نے ختم کر دیا لیکن جارح ہندو قوم پرستی جس کی قیادت آر ایس ایس کر رہی ہے، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو اپنی تشخص کی شناخت کا احساس ہوتا چلا گیا اور اس کے دفاع کرنے کا جذبہ بڑھتا گیا۔ آسام میں نیلی کا فساد اس کی ایک مثال ہے۔ آسام میں جو تحریک چل رہی تھی وہ آسامیوں اور بنگالیوں کے درمیان تھی۔ اس تحریک میں آسامی مسلمان بھی شامل تھے۔ اس فساد سے پہلے آسامی مسلمان ہندوؤں کے کلچر میں رنگ چکے تھے لیکن اس فساد میں صرف بنگالی مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور یہ نشانہ دیا گیا کہ بنگالی مسلمان جارح ہیں اور بنگالی ہندو مظلوم ہیں۔ اس طرح جب مسلمانوں کا قتل شروع ہوا تو آسام کے مسلمانوں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ یہ لڑائی آسامیوں اور بنگالیوں کے درمیان نہیں ہے بلکہ ہندو مسلم لڑائی ہے۔ چنانچہ آسامی مسلمانوں کے اندر اپنے تشخص کا احساس پیدا ہونے لگا۔ آسام میں مسلمانوں کی تعداد چالیس فیصد ہے سیاسی اعتبار سے ان کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ مسلمان زیادہ تر کانگریس سے وابستہ تھے۔ یہ پورا علاقہ جمعیت علماء کا سمجھا جاتا تھا۔ اسعد

مدنی کا والد صاحب کے یہ لوگ مرید تھے اس لئے اسعد مدنی کا ایک دورہ ہو جاتا تھا اور کانگریس کو دوث پڑ جاتا تھا۔ لیکن اس فساد کے بعد مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور بیدار ہوا اور یونائیٹڈ ماسٹری فرنٹ کے نام سے ایک پارٹی بنائی جس میں دیگر اقلیتی فرقے کے لوگ بھی شامل ہیں اس کے بعد قومی اور صوبائی الیکشن میں فرنٹ کو صوبائی سطح پر اٹھارہ نشستیں ملیں جبکہ قومی اسمبلی کی دو نشستیں انہیں حاصل ہوئیں۔ کئی جگہ ان کی پوزیشن دوسری رہی۔ (ماہنامہ ”آئین“ لاہور جولائی ۱۹۹۳ء)

”آج مسلمانوں کو جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں دیش نکالا دیا جا رہا، ان کے تمدنی نشانات کو مٹایا جا رہا، اور ان کا قیمتی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔“

اندھیرا تیز ہوتا جا رہا ہے سرد ہے محفل
کسی فانوس دل میں شعلہ رقصاں نہیں ملتا
(”افلاک“، محکمہ پورہ بھارت۔ فروری ۱۹۹۳ء)

بھارت کا پہلا وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو مسلمانوں کو غیر ملکی عنصر

Alien Element پکارتا تھا۔

پانچواں حصہ

بابری مسجد --- مہد سے لحد تک

تمسید: گزشتہ چند برس کے دوران بابری مسجد مرحومہ پر بہت کچھ لکھا گیا۔ لیکن اتنا مختصر، پر مغز، مدلل اور معلومات افزا مضمون میری نظروں سے نہیں گزر سکا۔

یہ بابری مسجد کے بعد، عالم اسلام کی سب سے بڑی آبادی، بھارتی مسلمان، جس رنج و غم کی اندوہناک تصویر بنی بیٹھی ہے وہ بھی لفظوں کی مدد سے لکھنے اور انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر سوچنے کہ اس ضمن میں ہم کیا کرنا چاہئے۔ کیا اب وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ ہماری بے حس کو بھی بابری مسجد کی قبر میں ہی دفن کر دیا جائے؟ کیا سقوطِ اودھ میں ہمارے لئے کوئی سبق نہیں ہے؟

یہ آدھاریکا ماہنامہ ”۱۲ اگست“ جھیکم پور، بھارت بابت دسمبر ۹۳ء کا ادارہ ہے۔ (سنگھار: محمد اسلم رانا)

سورہ دیوار کو توڑا ہے تیرے وحشی نے

اب تو گھر میں وہ مزد ہے جو بیاباں میں نہیں

۱۶ دسمبر کا دن آزاد ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے جس میں نفرت اور ظلمت کی اندھی ہوئی فوجوں نے جمہوریت، سیکولرازم اور انسا کا جترو نکال دیا اور مساوات و انصاف اور آئین و قانون کو شکست دے کر ہندوستان کو ایک صدی پیچھے دھکیل دیا۔

۶ دسمبر کو باہری مسجد کیا شہید کی گئی! جمہوریت سیکولرازم، انہما اور آئین و قانون کے ایوانوں کو زمین بوس کر دیا گیا، ملک کی سلامتی و تحفظ کو تھس تھس کر دیا گیا، ملک کی تہذیبی رنگا رنگی اور بو قلمونی کے تار و پود کو یکمیر دیا گیا اور مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا گیا کہ کیا وہ اپنے وطن میں اپنے دین و مذہب، اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی خودی کو برقرار رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

بابر بادشاہ کے ماتحت حاکم میر باقی تاشقندی کی تعمیر کردہ باہری مسجد (۱۵۳۸ء) کو ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو محض اس دعویٰ کی بنیاد پر ڈھا دیا گیا کہ اس کی بنیاد ایک مندر کے کھنڈر پر رکھی گئی تھی مگر یہ دعویٰ محض من گھڑت ہے؛ اگر مندر توڑے جائے اور اس کے کھنڈر پر مسجد تعمیر کرنے کی بات میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مشہور ہندو شاعر تلسی داس اپنی مشہور کتاب رامائن میں اس کا تذکرہ ضرور ہی کرتے اور وہ اس لئے بھی کہ یہ کتاب باہری مسجد کی تعمیر کے تقریباً ۳۸ سال بعد اجودھیا ہی میں تصنیف کی گئی ہے مگر تلسی داس نے اس واقعہ کا نہ تو رامائن ہی میں تذکرہ کیا اور نہ ہی اپنی کسی دوسری کتاب میں۔

اور اسی طرح تلسی داس کے ہم عصروں میں سور داس، کبیر داس، روی داس، میرابائی، چیتسہ مہا پر بھو اور گوردناتک دیو بھی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اجودھیا اور بنارس میں گزارا ہے مگر ان صوفی شاعروں نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

مزید بر آں باب کے حمد کی صدقہ تواریخ اور ۱۵۲۸ء سے ۱۸۵۰ء تک طبع ہونے والی کسی بھی کتاب میں مندر توڑنے کا تذکرہ نہیں ملتا البتہ انگریزی عہد کے ۱۹۰۸ء کے مطبوعہ گزٹ میں اس کا تذکرہ ضرور ملتا ہے کہ ”بابر بادشاہ نے بامری مسجد کو ایک مندر کے کھنڈر پر بنایا تھا“ اس سلسلے میں یاد رکھنے کی دو باتیں ہیں ”پہلی بات تو یہ کہ گزٹ تاریخی دستاویز نہیں ہوتی اس کی حیثیت محض ایک یادداشت کی ہوتی ہے جسے سرکاری افسران انتظامی امور کی سہولت کے لئے مرتب کرتے ہیں اور بس۔“

دوسری بات یہ کہ اس یادداشت میں بابر کے اجودھیا جانے اور اجودھیا پر حملہ کرنے کا تذکرہ موجود ہے جب کہ تاریخ کا غائر مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ بابر کبھی اجودھیا گیا ہی نہیں اور اس نے کبھی اجودھیا پر حملہ کیا ہی نہیں اور جب صورتحال یہ ہے تو اس کی مندر شکنی کا ثبوت آخر کیونکر ہم پہنچایا جاسکتا ہے؟

الغرض مندر شکنی کا دعویٰ محض بے بنیاد اور صداقت سے عاری ہے اور اس مذموم تاریخ سازی کا مقصد محض اپنے نفسیات شوق کی تکمیل ہے اور بس۔

ہیں اجالے تیرگی کی قید میں

جھوٹ کی مٹھی میں ہیں سچائیاں۔

ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے اور بامری مسجد تنازعہ بھی اجودھیا کے ایک مسلمان فقیر غلام حسین اور ایشی کے مولوی امیر علی کے ایک حماقت

آمیز عمل کا رد عمل ہے اور بس، مورخین کے بیان کے مطابق جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۵۵ء میں اول الذکر غلام حسین کی ہنومان گڑھی کے منہ سے کچھ ناراضگی ہو گئی تو انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا کہ اورنگ زیب بادشاہ نے ہنومان گڑھی میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جسے ہندوؤں نے ڈھا دیا ہے، اس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور نتیجہ کے طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کوئی ۳۶ آدمی اس فرقہ دارانہ تصادم کی نذر ہو گئے۔

چند مہینوں کے بعد اس خفتہ فتنہ نے دوبارہ سر اٹھایا اور ایشی کے مولوی امیر علی کی قیادت میں مسلمان ہنومان گڑھی پر دوبارہ چڑھائی کے لئے روانہ ہوئے مگر اس سے بہت پہلے قصبہ روولی کے پاس موضع شجاع گنج میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان لڑائی ہوئی اور اس لڑائی میں مولوی امیر علی اور ان کے کچھ رفقاء کام آئے اور اس کی اپیل جب نواب اودھ واجد علی شاہ کے دربار میں کی گئی تو انہوں نے محض نامہ پر یہ شعر لکھ کر معاملہ کو رفع دفع کر دیا اور اپنے سیکور کر دار کا ثبوت دیا۔

ہم عشق کے بندے ہیں مذہب سے نہیں واقف

کعبہ جو ہوا تو کیا؟ بت خانہ ہوا تو کیا؟

اس واقعہ کے چار مہینے بعد اودھ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ریاست

اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور پھر کیا تھا انگریز بہادر کی شاطرانہ چالوں

کے برتے دسمارے ۱۸۷۷ء میں ہنومان گڑھی کا یہ جھگڑا باہری مسجد تک

بیچ گیا اور اب کی بار ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ بامری مسجد ایک مندر کے
 تختہ پر اور مندر توڑ کر بنائی گئی ہے اور پھر کیا تھا سیانے انگریزوں نے
 حواء اور حکومت کرو" کی پالیسی کے تحت اقلیت کے مقابلہ میں اکثریت کا
 ساتھ دیا اور انہوں نے حکم کا رول اور اقلیت کے ساتھ مسجد کے صحن میں ایک
 دیوار کھینچ دیا اور مسجد کو چوتھرے سے الگ کر دیا اور اسے رام چوتھرہ اور
 رام کوٹ کا نام دیا۔ آزادی کے بعد جب اس عرصہ نے تشدد کا رخ اختیار
 کیا تو سرور دور میں ۱۹۳۹ء میں بامری مسجد میں تباہی ڈال دی گئی اور پھر راجیو
 گاندھی کے دور میں ۱۹۸۶ء میں بامری مسجد میں راتوں رات مورتیاں رکھ
 دی گئیں اور آج ۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کو دشا بندہ پر تشدد اور بی' جے' پی کی
 کوششوں سے مسجد کی آخری رسوم ادا کر دی گئیں اور ہمیشہ کے لئے اس
 کے وجود پر خط تینٹینچ پھیر دیا گیا۔

وہ دور بھی دیکھا ہے تاریخ کی آنکھوں نے
 محلوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی"

بھارتی مسجدوں میں تالے

مسجد خیر السنازل پر آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کا لگایا ہوا تالہ اپنے قدیم و بیش قیمت اثاثہ اور وراثت کے متوالے نیز دینی لگن رکھنے والے سرپرہے نوجوانوں کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن پا رہا ہے۔ ویران پڑی اپنی عبادت گاہ کو قیام، قربت، تلاوت، رکوع اور سجود سے آباد کرنے کے قابل قدر جذبہ سے سرشار کچھ نوجوان وقت کی انتہائی پابندی کے ساتھ عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرنے کے لئے روزانہ پہنچتے ہیں تو انہیں مسجد کا قدیم تاریخی گیٹ مقفل ملتا ہے۔ کسی بھی غلط جذبہ سے خالی ان نوجوانوں کو روزانہ ہی یہ تالہ لگا ہوا ملتا ہے۔ اس لئے وہ روزانہ ہی اپنے ساتھ ایک ہتھوڑا اور دوسرے اوزار لاتے ہیں۔ مسجد کے دروازہ پر لگے تالہ کو توڑتے ہیں پورے خشوع اور خضوع کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ پرامن طریقہ سے اور پورے اطمینان کے ساتھ عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو ہنسی خوشی روانہ ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی سے لڑنا جھگڑنا ہے کہ نہ کسی جگہ یا عمارت پر قبضہ کرنا ہے۔ صرف تاریخی مسجد کو ویران دیکھنا گوارہ نہیں کر پاتے۔ اس لئے خاموشی کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدوں کا ہدیہ پیش کر کے اسے آباد کرتے ہیں۔ یہاں مولانا حافظ محمد الیاس تراویح میں قرآن کریم سنا رہے ہیں۔ آثار قدیمہ کے نام پر آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا نے دہلی کی ۱۶۶ عمارتوں کو اپنے قبضہ میں لے کر مقفل کر رکھا ہے۔ جن میں ۲۰ عالی شان و شوکت والی

قدیم تاریخی مسجدیں بھی شامل ہیں۔ جو دیران پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے شاندار دروازوں پر تھامے پڑے ہوئے ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے کہ یہ قدیم تاریخی عمارتیں ہیں ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ لیکن ہر صاحب عقل و شعور جانتا ہے کہ سرکاری ملازمین سے ان عمارتوں اور مسجدوں کے تحفظ اور دیکھ بھال کی کس حد تک امید کی جاسکتی ہے۔

جب سے ماہ رمضان المبارک کا چاند نظر آیا ہے، دہلی کے کچھ نوجوان الگ الگ گروپوں میں مسجد خیر المنازل کے علاوہ مقبرہ صدر جنگ، مقبرہ ہمایوں اور فیروز شاہ کوٹلہ میں واقع مسجدوں میں اسی طرح نماز ادا کرنے پہنچتے ہیں، مگر مقبرہ صدر جنگ اور مقبرہ ہمایوں پر تعینات سرکاری ملازمین اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے عشاء کی نماز ان نوجوانوں کو مسجدوں کے باہر سڑکوں پر ہی ادا کرنی پڑتی ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ جامع مسجد کو ”زندہ“ اور ان چاروں مسجدوں کو ”مرودہ“ قرار دیتا ہے۔ اس لئے انہیں دن میں کھلا رکھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ ان کے تقدس کا بھی تحفظ کیا جائے اور عشاء کی نماز ہونے تک دروازے کھلے رکھے جائیں۔

(شکریہ ”نوائے وقت“ میگزین ۱۰ اپریل ۱۹۹۳ء)

مساجد پر قبضہ کا خوفناک منصوبہ

بھارت میں فرقہ پرست ہندوؤں نے تین مساجد پر زبردستی قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ ایک انتہا پسند ہندو لیڈر نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ اجمودھیا، کاشی (بنارس) اور متھرا میں واقع ان تین مسجدوں کو خالی کر دیں۔ اس نے خطرناک نتائج کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ہندو ان پر زبردستی قبضہ کر لیں گے۔

کان پور میں دس لاکھ مسلمان رہتے ہیں ایک انتہا پسند ہندو رہنما نے انہیں کہا ہے کہ وہ ہمسایہ ممالک میں ہجرت کر جائیں یا جدھر سینگ سمائے چلے جائیں۔ اس نے متنبہ کیا کہ انہیں مستقل طور پر بھارت کو خیرباد کہہ دینا چاہئے۔ سہرحال اگر وہ ضرور بھارت ہی میں رہنا چاہتے ہیں تو ان کی حیثیت غیر ملکیتوں کی بنی ہوگی۔ انتخابات میں ووٹ دینے کے حق سے محروم ہوں گے۔

اسلامی خبر رساں ایجنسی کے مطابق بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵ کروڑ ہے وہ اسلام دشمن انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں تھوک کے بھاء قتل و غارت اور مظالم کے شکار ہیں۔ مسلم بستیوں میں آتش زنی، لوٹ مار اور عصمت دری روزمرہ کا معلوم ہے۔ اندر نماز ادا کرنے والوں کے باوجود مسجدوں کو آگ لگا دی جاتی ہے لیکن حکومت اور باغیوں امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار محکمے ظلم و تشدد بھرے ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے کچھ نہیں کرتے۔

ہندو تعصب اور تاج محل

بھارتی روزنامہ ٹائمز آف انڈیا کی رپورٹ کے مطابق انتہا پسند ہندو باہری مسجد کی شہادت کے بعد شاہجہاں کے تعمیر کردہ تاج محل گرانے کے بھی درپے ہو گئے۔ اخبار نے بتایا کہ ہندوؤں نے تاج محل کے باغ میں آملہ کے ایک یوڑھے درخت کو دیوتا مان کر اس کی پوجا شروع کر دی ہے۔ جس کے بہانے تاج محل کی عمارت میں ہر وقت ہندو عورتوں اور مردوں کا ہنگامہ لگا رہتا ہے۔ یہ پیجاری کسی وقت بھی تاج محل کی عمارت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

تاج محل مشہور مغل بادشاہ شاہجہاں نے اپنی بیوی ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کرایا تھا اور یہ دنیا کے سات بڑے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ غیر ملکی سیاحوں کی آمد سے بھارت کو تاج محل سے کروڑوں روپے سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔

ہندوؤں کا کہنا یہ ہے کہ تاج محل اور اس قسم کی دوسری عمارتیں مسلمان بادشاہوں نے ہماری غلامی کا مذاق اڑانے کے لئے تعمیر کی تھیں۔ لہذا جب تک مسلمانوں کی ان تمام نشانیوں کو مٹا نہیں دیا جاتا، بھارت کی سرزمین پوتر نہیں ہوگی۔ بھارت کے انتہا پسند ہندو صرف ایک دو مسجدیں گرانے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ وہ مسلمانوں کی ایک ایک گرجا تمام نشانیاں ختم کر کے دم لیں گے۔ ان کی نفرت کا سب سے بڑا مرکز پاکستان

ہے جسے ختم کرنا ان کے دھرم کا تقاضا ہے گاندھی کے قاتل نھرو رام
 گوڈسے نے وصیت کر رکھی ہے کہ میری راکھ کو اس وقت دریائے سندھ
 میں بہانا جب پاکستان کا تپا کب وجود باقی نہ رہے۔ (نوائے وقت ۱۳-۹۳)



بھارت میں قرآن مجید کے خلاف سازش

لاہور (انٹرنیشنل ڈیسک) ہندوؤں کی اسلام دشمنی سب پر عیاں ہے۔ متعصب ہندو مسلمانوں کے تشخص اور مسلم کچھر کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ بھارت میں قرآن مجید پر پابندی لگوانے کے لئے ہندوؤں کی تحریک اسی سلسلے میں اگلی کڑی ہے۔ بھارت کے ایک اخبار کے مطابق آل انڈیا ہندو مساجد اپنے ایک دیوتا (ویر سادوکر) کے یوم پیدائش سے قرآن مجید پر پابندی عائد کروانے کا تہیہ کر چکی ہے۔ اس فرقہ پرست ہندو جماعت کے ضلع گھور کھیور کے کار گزار شیطان ڈاکٹر برج منی سنگھ کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں قرآن مجید کے خلاف (نعوذ باللہ) عوامی بیداری کی منظم تحریک کا باقاعدہ آغاز گھور کھیور سے کیا جائے گا۔ اور جلسے جلسوں کے بعد صدر اور وزیر اعظم کو پابندی عائد کرنے کے لئے عرضداشت پیش کی جائے گی۔ شیطان منی سنگھ کے ان مذموم اعلانات اور اس کے قرآن مجید کے بارے میں غلط پراپیگنڈہ اور اس کے خلاف مذموم بیانات کو ہندو اخبارات بہت اچھال رہے ہیں یہ اخبارات شیطان منی سنگھ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ ”مسلمانوں کے ہاتھوں ہندوؤں کی اموات کی وجہ (نعوذ باللہ) یہ قرآنی آیات ہیں۔ کیونکہ قرآنی آیات میں ایمان والے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مورتی پوجنے والے کافر اور ناپاک ہیں۔ ایسے لوگوں کو جہاں دیکھو قتل کر دو۔“

جو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے انکار کریں انہیں آگ میں جھونک دو۔ کافر کی املاک لوٹ لو۔ اور اسے حلال اور پاک تصور کر کے استعمال کرو۔ ۳۔ اللہ تم کو جنت نصیب کرے گا۔“ ان کا کہنا ہے کہ انہی آیات کی وجہ سے فسادات ہوتے رہے ہیں۔ اور مسلمان اب تک چار ہزار مندر توڑ چکے ہیں۔ شیطان منی سنگھ کے حوالے سے اخبار لکھتے ہیں کہ ”پورا سماج آنکھیں کھولے کیونکہ قرآن مجید کی کچھ آیات (نعوذ باللہ) جو انسانیت کے بیچ زہر گھولتی ہیں ۳۔ جب تک قرآن مجید سے نکالی نہیں جاتیں اس وقت تک مسلمانوں اور ہندوؤں میں بھائی چارہ قائم نہیں ہو سکتا ۳۔ انہوں نے اس بات کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے ہندوؤں کو خبردار کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے خلاف ہر وقت صف آرائی نہ کی گئی تو آنے والے تھوڑے ہی عرصے میں غوری، غزنوی، بابر اور اورنگزیب جیسی مسلمان شخصیتیں ایک بار پھر ہندوؤں پر اپنا تسلط قائم کر لیں گی۔ ہندو مہا سبھا کی قرآن مجید پر پابندی لگوانے کی تحریک کے پروگرام کے مطابق اس پندرہ روز تحریک میں ملک بھر میں جلسے اور مذاکرات کئے جائیں گے۔ جلوس نکالے جائیں گے۔ ہندوؤں کو قرآن مجید کے بارے میں غلط باتیں بتلا کر گمراہ کیا جائے گا۔ وزیر اعظم اور صدر سے پابندی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (نوائے وقت ۵ اپریل ۱۹۸۳ء)

حواشی و تشریحات

۱۔ مسلمانوں کا ہندوؤں کو مارنا یا ر لوگوں کا بالکل خلاف واقعہ پراپیگنڈہ ہے۔ اگر مسلمان ہندوؤں کو مارنے والے ہوتے تو ہزار سالہ مسلم راج کے باوجود ۱۴ء میں ہندو مسلمانوں سے چار گنا نہ ہوتے۔ مسلمانوں پر چار ہزار مندر توڑنے کے ہندو الزام کی بے بنیادی باری مسجد کی مظلومانہ شہادت سے عیاں ہے ساری دنیا میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ۲۔ آئیں ہندو ذہنیت سمجھیں۔ ایک شاعر مشاعرہ میں جاتے ہوئے اپنی خویرو نوجوان دوست کے گھر گیا۔ اور پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ڈیوٹی پر گئے ہوئے ہیں۔ کل آئیں گے۔ شاعر نے کہا میں نے مشاعرہ میں جلد پہنچنا ہے، میرے ساتھ چل۔ اس کی دوست بولی میں آپ کیساتھ کیسے جاؤں کل صبح میرے میاں نے آ جانا ہے۔ اس پر شاعر لا پرواہی سے بولا اسے کہہ دینا میں شو کے ساتھ چلی گئی تھی۔ وہ تجھے کچھ نہیں کہے گا۔ پیاری، تو ایک شاعر کے ساتھ جا رہی ہے سو اگر گئے ہمراہ نہیں۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اس کے سامنے بس میرا نام شولے دینا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ جلدی کر۔ وہ عورت اپنے بچہ کو ہمسائی کے حوالہ کر کے اپنے بال سنوارتی ہوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔ اگلی صبح مشاعرہ سے لوٹے تو اس کا میاں گھر پہنچ چکا تھا۔ شو نے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے کہا لو بھی سنبھالو اپنی بیوی میں اپنے ساتھ مشاعرہ میں لے گیا تھا۔ اس خوبصورت نوجوان نے چائے کی دعوت دی جسے شو کمار بٹالوی نے جلدی کی وجہ سے

رو کر دیا (شو کمار بٹالوی کے کلام کا مجموعہ ”شرینہ دے پھل“ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء صفحات ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۴)۔

سورۃ نجم کی آخری آیت پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ میں نے ایک عالم دین کی خدمت میں عرض کیا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث پاک کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم تلاوت فرمائی اور سجدہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا آپ کو کاہے کی سمجھ ہے۔ میں نے بتایا کہ اتنی سی عربی تو میں جانتا ہوں۔ اس پر وہ بولے بیٹا حدیث علم ہے زبان نہیں ہے۔

کچن لوگوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو چکی ہو کہ زنا کو ایک معمول کا فعل سمجھیں۔ انہیں یہ پتہ نہ ہو کہ قرآن مجید کی ہدایات اور احکام و آیات کا شان نزول، واقعات، حالات اور شخصیات سے مخصوص ہے، اگر وہ خود آپ ہی قرآن مجید کا ترجمہ اور تشریح کرنے بیٹھ جائیں تو وہ کلام حکیم کو قابل ضبطی نہیں سمجھیں گے تو اور کیا کریں گے؟

قرآن کریم سے متعلق یہ ہندوانہ نظریات نئے نہیں ہیں البتہ انہیں شد و مد اور جارحیت سے پیش کیا جانے لگا ہے۔ پچھلی صدی کے ساتویں دہے کے آخر میں سوای دیانند نے ہندو فرقہ آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ وہ ریاست کاٹھیواڑ میں ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۳ء میں مر گیا تھا۔ اس نے اپنی ساری عمر قدیم ہندو مذہب کی نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں صرف کی۔ جس کے لئے مسلمانوں اور عیسائیوں کی بیخ کنی ضروری تھی۔ چنانچہ سماج کو سیاسیات میں ملوث ہونا پڑا۔ اس کا سیاسی نعرہ تھا ”ہندوستان ہندوؤں کے“

لئے ہے۔“ اس مقصد کے حصول کے لئے دیانند نے ویڈیوں کی طرف لوٹے، ہندومت کی اصلاح، برہمنی برتری کے خاتمہ اور مسلمانوں اور عیسائیوں سے گلو خلاصی پر زور دیا۔ ہندومت کی وضاحت، عظمت، وکالت اور عیسائیت اور اسلام کی تردید میں مشہور کتاب ”ستیارتھ پرکاش“ لکھی۔ اس کا ایک مستند اردو ترجمہ ہتہ رادھا کشن جی کے قلم سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں سوامی نے قرآن پاک کی سورتوں میں سے آیات کریمہ چھانٹ چھانٹ کر ان پر ”اعتراضات“ کئے تھے۔ چند کا مطالعہ مفید مطلب رہے گا۔

(i) ”اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ مار ڈالو“ (۴ نساء ۹۰)۔

دشمنان اسلام میں سے کچھ لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے لیکن جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ اس آئیہ پاک میں انہیں پھر بھی رعایت دی گئی ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کی مخالفت سے بے تعلق رہیں، صلح کی درخواست کریں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہ لیں تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر ان شرائط میں سے کسی پر بھی پورا نہ اتریں تو پھر مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ ان کو جہاں پائیں قتل کریں کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں کی سلامتی ممکن نہیں تھی۔ اس پر ہندو محقق لکھتا ہے ”کیا خوب یکطرفہ ڈگری دی گئی ہے کہ جو مسلمان نہ ہو جہاں پاؤ مار ڈالو“ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۷۲۳)۔

(ii) ”اور لڑوان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ یعنی کافروں کا زور۔

جو دے دین اللہ کا سرسبز“ (۸ انفال ۳۹)۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو کافروں سے جنگ کرنے کا حکم ہے جسکی کہ وہ مسلمانوں کے لئے خطرہ نہ رہیں۔ مختصر میں یہ بات ترجمہ میں ہی تسلیم کر بھی لی ہے۔

پھر بھی محقق صاحب تحقیق کے موتی بکھیرتے ہیں ”ایسا اندھا دھند لڑنے والا اور اسن میں خلل ڈالنے والا سوائے محمدی خدا کے اور کون ہو سکتا ہے؟“ (صفحہ ۷۳۳)۔

(iii) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ لڑوان لوگوں سے کہ پاس

تمہارے ہیں“ (۹ توبہ ۱۲)۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں ان سے تم بھی جنگ کرو اور مسلمانوں کو تکالیف قریبی دشمنوں سے پہنچتی تھیں دور والوں نے کیا دکھ دینا تھا!

ادھر الٹی ہندو کھوپڑی ”محقق“ کے حسین لباس میں لکھتی ہے ”اس آیت میں محسن کشی کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ خدا حکم دیتا ہے کہ پڑوسیوں اور غلاموں سے لڑائی کرو اور موقعہ پا کر انہیں مار ڈالو۔ ان باتوں پر غور کر کے اب بھی اگر مسلمان قرآن سے کنارہ کش ہو کر راہ راست پر آویں تو بہت اچھا ہے“ (صفحہ ۷۳۸)۔

(iv) ”ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے“ (۱۰ یونس ۵۷)

اس آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی راہیں بتاتا ہے اور ان کے لئے باعث و موجب رحمت ہے۔

مثال سمجھئے کہ ایک بستی میں ہیضہ پھوٹ پڑا ہے۔ ہیضہ کی اکسیر دوائی موجود ہے لیکن لوگ کھاتے نہیں، دھڑا دھڑا مرتے جا رہے ہیں۔ اس سے دوا کی شان میں تو کوئی کمی نہیں آئی۔ لوگوں کی بد بختی ہے کہ اسے برتتے نہیں۔ ایسے میں صاف ظاہر ہے کہ دوائی صحت اور زندگی انہیں کے لئے ہے جو استعمال کریں گے۔ یہی حال قرآن کریم کا ہے اس پاک کلام کا فائدہ انہیں کو ہو گا جو اس پر ایمان لا کر اسے اپنی زندگیوں میں جگہ دیں گے۔

”محقق“ ہونے کا دعویدار اتنی سی سادہ بات کو بھی نہیں سمجھ رہا اور لکھتا ہے ”کیا خدا مسلمانوں کا ہی ہے، دوسروں کا نہیں؟ اور کیا وہ یکطرفہ ڈگری دینے والا ہے؟ اگر مسلمانوں سے ملو ایماندار ہے تو ان کے لئے ہدایت کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر خدا مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا تو اس کا علم کس کام کا ہے؟“ (صفحہ ۷۳۸)

اگر انگریزی دور میں ہندو کی قرآن فہمی کا معیار یہ تھا تو اب کٹر متعصب اور اقتدار کے نشہ میں بدست ہندو بھارت کی مملکت میں اس کی کج فہمی اور دماغ کی خرابی کا اندازہ کون لگائے گا؟ قرآن کریم کی ضابطی کا مطالبہ تو ایک ہلکی بات ہے۔ اگر یہ لوگ مسلمانوں کے گھروں سے قرآن کریم کے نسخے تلاش کرنے لگ پڑیں تو ان سے یہ بھی عین ممکن ہے!

۳۔ یہ بہتان تراشی ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کے احکام کہیں بھی وارد نہیں ہیں۔ ہندو دعویٰ شرمناک ہے۔ اسلام کے معنی ہی سلامتی اور امن ہیں۔ اسلام پیار و محبت اور امن و آشتی کا مبلغ و پرچارک ہے۔ علیہذا ہے۔ اللہ پاک نے تمام نسل انسانی کو ایک ماں باپ کے جنے ہوئے بن بھائی قرار دیا ہے (سورۃ ۴۹ حجرات ۱۳) اور ہدایت فرمائی ہے کہ مسلمان بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیں۔ برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئیں۔ اور دشمن کی بدسلوکی کے جواب میں بہتر رویہ اختیار کریں مثلاً غصہ کے رد عمل میں تحمل و برداشت، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور ملامت سے پیش آئیں کہ دشمن تمہارے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر تمہارا دلی دوست بن جائے (۳۱ تم السجدۃ ۳۴)۔

۴۔ ”مسلمانوں اور ہندوؤں میں بھائی چارہ کی فضا کا قیام“ تو بڑی دور کی بات ہے، ”بھائی چارہ کی فضا“ تو خود ہندوؤں کے درمیان ہی مفقود و معدوم ہے!

نذہبی لحاظ سے ہندو چار ذاتوں میں منقسم ہیں۔ ذات پات کی یہ تمیز ان کی صحابت کے لئے لازم ہے۔ سب سے اونچی ذات برہمن ہے، پھر کشتری، تیسری ویش اور چوتھی اور سب سے پچی ذات شودروں کی ہے، اچھوت اور پلچھ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کا فریضہ تینوں اونچی ذاتوں کی تن من و دھن سے خدمت کرنا ہے، چاروں ذاتوں کے لئے باہمی معاشرت

ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھانا پینا اور شادیاں ممنوع ہیں۔ اس تقسیم کے اثرات اور اس پر مبنی معاشرہ کی تعمیر پر چند دانشوروں کا تبصرہ حقائق و حالات کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

پروفیسر گلکرائسٹ لکھتے ہیں ”ایسی سوسائٹی جس میں شہریوں کے درمیان باہمی شادیاں موجودہ اور اگلی دنیا کی بربادی کا سبب ہوں، اس سے معمول کی باہمی محبت اور عزت کی توقع نہیں کی جاسکتی، جو مشترکہ قومی احساسات کے لئے ضروری ہے“

(Indian Nationality

by R. N. Gilchrist: 1919, P.109)

”ہندو معاشرہ میں باہمی شادیوں کا فقدان قومی اتحاد میں سببِ راہ ہے“

(صفحہ ۱۱۱)۔

”ایٹلیا میں ذاتِ پات کا ایک ممتاز کردار ہے۔ ذاتِ پات کے نظام نے ہندوؤں کو قوم نہیں بننے دیا۔ جبکہ تاریخ میں ایران، یونان اور روم میں ایک سے زیادہ مرتبہ کئی لحاظ سے قومی جذبات پیدا ہوئے۔ پر ایٹلیا کبھی بھی قوم نہیں بنا“ (صفحہ ۷۱)۔

”جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستانی قومیت اور ذات ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ ذاتِ پات جدائی اور قومیت اتحاد چاہتی ہے۔ تاریخ میں ذات بذات خود اتحاد و یک جہتی کا مظہر رہا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس کے ساتھ اتنی قسمیں منسلک ہیں کہ اس دور کی توقع ظاہر

ممکن ہے جب ہندوستان میں ایک ہی ذات، ہندو ہو گی۔ ہندو مت کو نہ صرف اپنی تشبیہوں پر پھاپا رکھنا ہے بلکہ مسلمانوں، مسیحیوں اور انڈیا کے دوسرے مذاہب سے بھی اتحاد کرنا ہے۔ ہندو مت کے لئے قوم پرستی ایک ناؤر خیال ہے“ (صفحہ ۱۲۸)۔

ایک اور منکر لکھتا ہے ”ہمیشہ سے ہندوستان کے باسیوں کی امتیازی صفت ہے کہ ان میں کبھی بھی قوی جذبات پیدا نہیں ہوئے“

(Peoples and Problems of India

by Sir T.W. Holderness : 1923, P. 104)

ہندو دانشور نیگلور بھی تسلیم کرتا ہے کہ ”شروع سے ہی ہندوستان میں قوم پرستی کا صحیح احساس کبھی بھی پیدا نہیں ہوا“

(Nationalism by sir Rabindarnath

Tagore : 1920, P. 106)

۵۔ یہ ہے اصل سوال اور ہندوؤں کی مسلم کشی کی تہ میں کار فرما (حقیقی یا مصنوعی خوف و ہراس پر مبنی) جذبہ کہ کہیں مسلمان طاقتور ہو کر پھر سے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم نہ کر لیں۔ ہندو سوچتے ہیں کہ چند ہزار مسلمانوں نے ہزاروں کلومیٹر دور سے آ کر ہندوستان میں اپنے قدم جمائے اور اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں بستے رستے مسلمان کیا کچھ نہیں کر سکیں گے؟

چھٹا حصہ

جواب آل غزل

تمہید : بھارت میں سرکاری سطح پر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے زیرِ تکمیل منظم اور مضبوط پروگرام مطالعہ کئے جا چکے ہیں۔ اب ہم معلوم کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کے وارے نیارے ہیں اور یہاں اسلام کے نام لیوا مسلمان، اپنے ملک پاکستان میں، ان کے سامنے کس قدر بے بس ہیں!

سندھ میں جی ایم سید کی تنظیم ”جنے سندھ“ خاصی مضبوط اور فعال ہے اور بھی کئی سندھی قوم پرستی تنظیمیں ہیں جو علی الاعلان سندھ کی پاکستان سے علیحدگی اور سندھی قوم پرستی کی اسلام پر اولیت اور برتری کی علمبردار ہیں۔ یعنی ان کے ہاں ایک سندھی ہندو غیر سندھی (پاکستانی!) مسلمان سے عزیز تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں بسنے رسنے اور سندھ کے تعلیمی، ملازمتی اور معیشتی وسائل پر قابض اور چیرہ دست ہندوؤں کے خلاف تو کوئی بھی آواز نہیں اٹھاتا البتہ پشتون سے ”مقیم“ بنجر زمینیں آباد کرنے والے، پنجابی محنت کشوں اور آباد کاروں کو ”غیر سندھی“، ”پنجابی غاصبوں“ کے نام پر سندھ سے نکالا جا رہا ہے۔ ایسی تنظیموں اور اداروں کو ہندوؤں کی فکری و نظریاتی اشیراد، افرادی قوت اور مالی سرپرستی میسر ہے۔ درحقیقت ایسی تمام قوتیں ہندوؤں کی پروردہ اور آلہ کار ہیں۔ ہندو ان کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ سندھی ہندوؤں کے من

پسند منسوبہ بازوں کے جواب میں نظریاتی، صحافتی، اشاعتی اور جماعتی سطح پر ایک بھی تحریک نہیں ہے۔ ارباب اقتدار اپنی کرسیوں کے چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ عوام کا لانعام کو ایسے مسائل کا ادراک و ہوش کہاں؟

میں گولڈ میڈل وصول کرنے راولپنڈی گیا تو وہاں اسلام اور پاکستان پسند سندھیوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ روتے تھے آپ آنکر دیکھیں کہ ہمارے علاقہ میں قادیانیوں کی سرگرمیاں یہ ہیں۔ ہندو اتنا کچھ کر رہے ہیں۔ عیسائیوں کی ایسے چاندی ہے جبکہ مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے کے علاوہ کسی بھی بات کی کچھ بھی سمجھ نہیں ہے۔ ادھر ہمارے مقابل بھارت نے سرحدی دیہات مسلمانوں سے خالی کرا لئے ہیں۔

اگلے صفحات پر مندرج رپورٹیں اور خبریں پڑھنے سے اندازہ ہو گا کہ سندھ میں ہندو اقلیت کی دیدہ و لیرپوں کی بنا پر حالات کس قدر خطرناک اور گھمبیر صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں لیکن کماحقہ تدارک کی کوئی کرن دور دور تک بھی دکھائی نہیں دے رہی!۔ محمد اسلم رانا۔

”جمعہ کی شام زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، جسے سندھ بشرِ قریشی گروپ اور سیاف ورکنگ کمیٹی کے درمیان معمولی جھگڑے نے یونیورسٹی کے ایک ملازم گلن خان گمسی کی جان لے لی جبکہ دونوں تنظیموں کے ایک ایک فرد زخمی ہوئے۔ اس افسوسناک واقعہ کے فوراً بعد فوج اور رینجرس موقع پر پہنچ گئی اور اس نے یونیورسٹی کا ماحول مزید خراب ہونے سے بچالیا۔

معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ منگل کو ہندوؤں نے دیوالی منائی۔ ہندوؤں کی تقریبات میں جے سندھ کے کارکن بھی ہر سال بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتے ہیں۔ تنوار کی شب، شباب و شراب کی محفلیں جمتی ہیں ایک دوسرے پر رنگ پھینکا جاتا ہے اس دھوم دھڑکے میں جے سندھ کے درکر دیگر مسلمان طلبہ کو بھی گھسیٹتے ہیں اور جو شرکت سے انکار کر دیں انہیں قول بنایا جاتا ہے اور مختلف جیلوں بہانوں سے ان کا ہاشل میں رہنا دشوار کر دیا جاتا ہے۔ ماضی میں بھی سندھ کے تعلیمی اداروں میں اس طرح کے واقعات پر ہاشلوں میں متیم سندھی غیرت مند طلبہ اور صوبہ سرحد و بلوچستان سے تعلق رکھنے والے اسٹوڈنٹس مزاحم ہوتے رہے ہیں لیکن لاہور میں بسنت کی طرح سندھ کے تعلیمی اداروں میں ہولی منانے کی وبا عام ہوتی جا رہی ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے ہولی کی تقریبات منانے والوں پر کوئی سختی یا گرفت نہیں ہوتی اس لئے اب مزاحمت بھی بتدریج کم ہو گئی ہے۔

منگل ۷ مارچ کو جے سندھ بشیر قریشی گروپ اور ہندو طلبہ نے زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام میں ہولی کا تنوار منایا۔ آتے جاتے اسٹوڈنٹس پر رنگ پھینکا گیا ان کی اس کارروائی سے طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور یونیورسٹی کے دیگر ملازمین بھی محفوظ نہیں رہے۔ ہولی منانے والوں کا یہ گروپ ندیم سومرو، انور کھوسو اور عاتق رند کی قیادت میں وائس چانسلر ارشاد سومرو کے کمرے میں بھی پہنچا پہلے تو ان پر رنگ پھینکنے کی کوشش کی لیکن پھر وائس

چانسلر صاحب نے طلبہ سے اپیل کی کہ وہ رنگ پھینکنے کے بجائے ایک انگلی میں رنگ لگا کر ان کے کپڑے پر نشانہ لگا دیں تاکہ وہ اس ثواب سے محروم نہ رہیں۔ طلبہ کا یہ ہندو مسلم خدای گروپ نہ مانا بالاخر طے پایا کہ وائس چانسلر ارشاد سومرو ہولی کی تقریبات شایان شان انداز سے منانے کے لئے فنڈ دیں اس طرح وائس چانسلر نے دو ہزار روپے فنڈ دے کر ہنسی خوشی جان چھڑائی۔

یہی گروپ ہاسٹل میں مقیم دیگر طلبہ پر بھی رنگ پھینکنا رہا لیکن بشیر تنو ہاسٹل میں انہیں سپاف ورکنگ کمیٹی کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن بات گالی گفتار اور ہاتھ پائی سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی البتہ دونوں گروپس میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔

سپاف ورکنگ کمیٹی نے صورت حال کا ذکر وائس چانسلر سے بھی کیا لیکن انہوں نے سنی ان سنی کر دی اور ہولی منانے والے گروپ کو یہ احساس تک نہیں دلایا کہ یہ مسلمانوں کا ملک و تعلیمی ادارہ ہے یہاں غیر اسلامی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کی کوئی اجازت نہیں کیونکہ وہ خود اس مشغلے میں شریک تھے اور ہولی فنڈ ادا کر کے تو باقاعدہ شریک کاربن گئے تھے لہذا ان کی عدم توجہی اور غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کے باعث طلبہ میں کشیدگی بڑھتی رہی یہاں تک کہ رنگ سے ہولی کھیلنے والوں نے جمعہ کی شام ایک بے گناہ کے خون سے ہولی کھیلی۔

ورکنگ کمیٹی کے عہدے داروں نے الزام لگایا ہے کہ حملہ آور

گروپ وائس چانسلر کا پسندیدہ اور سرچڑھا گروپ ہے انہوں نے کہا کہ جے سندھ کے ندیم سومرو، انور کھوسہ اور ثاقب رند نے نئے طلبہ پر کاشٹکوف کا برسٹ چلا دیا جس سے قریبی کھڑا ہوا یونیورسٹی کا ملازم کلن خان گنسی ہلاک اور ورنگل کمیٹی کا لال ملوک زرکاری زخمی ہو گیا۔

زخموں میں حملہ آور جے سندھ کا ثاقب رند بھی شامل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا گروپ بھی مسلح تھا، ایک ذریعے کے مطابق یونیورسٹی کے ملازم کلن خان کی وہاں ڈیوٹی نہیں تھی بلکہ ورنگل کمیٹی سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ بہر حال اس بات میں کسی حد تک صداقت ہے کہ ورنگل کمیٹی بھی مسلح تھی اور کلن خان ان کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا یہ تو تحقیقات کے بعد ہی پتہ چل سکے گا فوج و رینجرس نے درجن بھر افراد کو گرفتار بھی کیا ہے لیکن یہ سوال بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ مذکورہ تعلیمی ادارے میں جدید اسلحہ کیسے پہنچا؟ اور تین دن سے ادارے میں پائی جانے والی کشیدگی کا سدباب کیوں نہیں کیا گیا۔

اسلام پسند اور حب وطن حلقے اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں کہ سندھ کے تعلیمی اداروں میں ہندو ازم کا پرچار کھلے عام ہونے لگا ہے، بلکہ اب تو یونیورسٹی و کالج کی انتظامیہ بھی ان غیر اسلامی و غیر اخلاقی تقریبات میں شریک ہو جاتی ہے اور ملک کی نظریاتی جڑوں کو کھودنے میں حصہ دار بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو طلبہ کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا ہے گزشتہ دنوں جب بامری مسجد کی شہادت اور ہندوستان میں مسلمانوں کے

قتل عام کے خلاف بعض مسلمان طلبہ نے مذمتی پوسٹر دیواروں پر چسپاں کئے تو جے سندھ کے کارکنوں نے انہیں پھاڑ دیا اور ان مسلمان طلبہ کی تلاشی شروع کر دی۔ ایک میڈیکل کالج کا یہ افسوسناک واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ لیکچر کے دوران جب ایک پروفیسر نے سائنس اور اسلام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے لیکچر میں اسلام کی برتری ثابت کی تو کلاس میں دو ہندو طلبہ اور ایک جے سندھ کا نام نہاد مسلم کارکن کھڑا ہو گیا انہوں نے سخت لہجہ میں پروفیسر کو متنبہ کیا کہ وہ کلاس میں صرف مضمون کے مطابق لیکچر دیا کریں انہوں نے کہا کہ یہاں ہم درس قرآن سننے نہیں آتے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں اس مداخلت پر کلاس میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی طالب علم ان غنڈہ گرد عناصر کے سامنے زبان کھولنے کی جرات نہ کر سکا آخر کار پروفیسر صاحب نے اپنا موضوع گفتگو تبدیل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو نواز جے سندھ کے طلبہ دیدہ دلیر ہو گئے اور آج فوجیت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہولی میں شرکت نہ کرنے والوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ سندھی قوم پرستوں نے جو مہران یونیورسٹی کے بھگڑے کے بعد ایک سندھی قومی جرگہ قائم کیا تھا وہ ایک بار پھر سرگرم ہو گیا ہے۔ اس جرگہ نے سندھی پریس سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ بات کو دہادیں اور مقدمہ بھی عدالت میں لے جانے کے بجائے وہ جرگے میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ورکنگ کمیٹی و سپان کے بعض طلبہ نے کہا ہے کہ

وہ تعلیمی اداروں کو قبائلی علاقہ نہیں بنانا چاہتے لہذا فیصلہ جرگے یا وائس چانسلر کی میز پر نہیں عدالت میں ہونا چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وائس چانسلر ارشاد سومرو بھی جرگے کے حامی ہیں کیونکہ وہ خود بلا واسطہ اس جھگڑے میں ملوث ہیں لہذا انہوں نے جرگے میں لاپتہ شروع کر دی ہے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق فوج اور دیگر فورسز نے زرعی یونیورسٹی کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے اور طلبہ میں کشیدگی ختم کرانے کی سرکاری سطح پر کوشش کی جا رہی ہے۔ "ہفت روزہ" تکبیر کراچی یکم اپریل ۱۹۹۳ء

وطن کی فکر کرتا ہوں
سندھی ہندوؤں کی پر اسرار تخریبی سرگرمیاں
ابن سراج

تمہید: سندھی گاندھی جی ایم سید قیام پاکستان سے بھی قبل کا دشمن پاکستان ہے۔ وہ حسب موقع و منشا پاکستان کے خلاف زہر اگھتا ہے۔ اس کی ”جئے سندھ“ تنظیم کھلم کھلا سندھ کی پاکستان سے علیحدگی کی مبلغ اور علمبردار ہے۔ سندھو دیش کا ترانہ گاتی ہے۔ سندھ دیش کا پرچم لراتی ہے، سندھو دیش کا نقشہ پھیلاتی ہے سندھو دیش کے ”نوائے“ بتاتی ہے۔ اس کے توڑ میں کماحقہ کچھ نہیں کیا جا رہا۔ لے کے کے بس ایک مرو ورویش حافظ محمد موسیٰ بھٹو اس تحریک کے آگے سینہ سپر ہیں ان کی سندھ نیشنل اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸ حیدر آباد اور صدیقی ٹرسٹ نسیم پلازہ سبیلہ چوک نیشنل روڈ کراچی قلمی محاذ پر مصروف کار ہیں۔

سندھ میں ہندو آبادی ۱۲ لاکھ کے قریب ہے۔ سینھ، ساہوکار، زمیندار، تاجر، متمول اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ پاکستان دشمنی کی راہ پر مزے سے رواں دواں ہے۔ اسے بھارت کی مطلوبہ امداد و رہنمائی اور سرپرستی بھی۔ سہولت تمام میسر ہے۔ جبکہ پاکستانی حکومت، عوام، سیاسی جماعتیں اور مذہبی حلقے اس محاذ سے غافل اور بجرمانہ حد تک لا پرواہ ہیں۔ اہل فکر افراد

درگاہ پر ویش دھڑ کی قیادت میں بھارتی ہندوؤں کا ایک وفد سپین میں تین سال مطالبہ کر کے آیا تھا کہ یہاں سے مسلمانوں کی آٹھ صد سالہ غلیم اشان ملکیت کیوں اور کیسے ختم ہوئی تھی راستہ

کی چیخ و پکار صدا بھر اٹھات ہو رہی ہے۔ مندرجہ ذیل مضمون ماخوذ از ماہنامہ ”ذیل راہ“ لاہور بابت ستمبر ۱۹۶۱ء میں محکمہ ٹیلیفون میں ہندوانہ تخریب کاریوں کی خصوصی نشان دہی کی گئی ہے۔ جس کی روشنی میں دسمبر ۱۹۶۱ء کے اواخر اور جنوری ۱۹۶۲ء کے شروع میں سندھ میں ٹیلیفون کا نظام مفلوج ہونے کے پس پردہ عوامل باسانی نظر آتے ہیں۔ (محمد اسلم رائٹ)

”سندھی ہندوؤں کو آنکھ بند کر کے سندھ میں نقل مکانی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ سندھی ہندو زیادہ تر تاجر ہیں۔ وہ زمینداروں کو روپیہ دیتے ہیں۔ سندھ کی قابل کاشت زمین کا ۳۰ فیصد ان کی ملکیت ہے، جبکہ بقیہ زمین کا ۳۰ فیصد وہ مقاطعہ پر سنبھالتے ہیں اسی طرح سندھ کی شہری ملکیت کا ۹۰ فیصد بھی ان کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ سندھی ہندو بہت سی کاشتیں جینگ، رائس اور فلور ملز کے مالک ہیں

ایک ہندو رکن اسمبلی نے یہ مشورہ اگرچہ ۱۹۵۹ء میں اپنے ہم مذہبوں کو دیا تھا مگر اب ایسا لگتا ہے کہ قیام پاکستان کے چوالیس سال بعد سندھ میں اندھی قوم پرستی کی تحریکوں نے ہندوؤں کے لئے رکاوٹوں، خدشات اور مشکلات کو دور کر دیا ہے جن کے سبب سندھی ہندوؤں کی ایک بھاری تعداد ہندوستان نقل مکانی کر گئی تھی وقفے وقفے سے ہندو خاندانوں کی بھارتی سرمایہ سمیت بھارت منتقلی کا سلسلہ پچھلے سال تک جاری رہا۔ اندرون سندھ سے ملنے والی مصدقہ اطلاعات کے مطابق قیام پاکستان کے بعد سے، سندھ سے اپنی جائیدادیں بچ کر بھارت جانے والے ہندوؤں کی

ایک بڑی تعداد اب سندھ میں واپس آ رہی ہے۔ بھارت سے آنے والے ہند اپنے ساتھ بڑی مقدار میں بھارتی کرنسی بھی لا رہے ہیں جو عمر کوٹ، مٹھی اور اسلام کوٹ میں پاکستانی کرنسی میں پاسبانی تبدیل کرا لی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں لین دین ۸۸-۸۹ء میں کھلے عام بھارتی کرنسی میں ہوتا تھا۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق عمر کوٹ پولیس ایک ایسے بھارتی ہندو ریشم کار کی گرفتاری کے لئے کوشاں ہے جس پر الزام ہے کہ وہ بھارت سے بڑی تعداد میں بھارتی کرنسی لایا ہے جسے مجوزہ بلدیاتی انتخابات کے دوران گزیر پھیلانے کے لئے ”را“ کے ایجنٹوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اسی طرح نوکوٹ سے ملنے والی اطلاع کے مطابق وہاں بھی سندھی ہندوؤں کی بڑی تعداد بھارت سے واپس پہنچ رہی ہے اور خطرہ ہے کہ ان کی آڑ میں ”را“ کے ایجنٹ بھی صوبے میں داخل ہو سکتے ہیں۔

حال ہی میں راقم کو اپنے اندرون سندھ قیام کے دوران میں یہ اطلاعات ملیں (بعد میں اخباری اطلاعات سے بھی ان کی تصدیق ہوئی) کہ سندھ میں دفاعی اہمیت کے شعبوں میں بڑی تعداد میں ہندوؤں کو بھرتی کر کے ہمارے دفاعی اور مواصلاتی شعبوں کو غیر محسوس انداز میں ناکارہ کرنے کے منصوبے پر کام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں سندھ کے سرحدی اضلاع کو ٹارگٹ بنایا گیا ہے۔ باخبر محب وطن حلقے اس منصوبہ بندی میں ”را“ کے ملوث ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ بعض اخباری اطلاعات کے مطابق میرپور خاص، تھر اور ساگھر اس وقت ہندوؤں کے مکمل کنٹرول میں ہے اور

سرحدی علاقے کے سانگھڑ ٹیلیگراف ڈویژن میں بعض بااثر افراد نے انتہائی اثر و رسوخ استعمال کر کے کلیدی عہدے پر ایک ہندو افسر کو تعینات کرایا ہے جس کی سرگرمیاں انتہائی مشکوک ہیں۔ علاقے کے لوگوں کے کہنے کے مطابق اس شخص کے علیحدگی پسند تنظیموں سے روابط ہیں۔ اس اعلیٰ افسر نے کھلے عام اقرباء پروری اور ہندو نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محکمہ ٹیلیفون میں درجنوں ہندو نوجوانوں کو بھرتی کر دیا ہے۔ محکمہ ٹیلیفون میں بڑھتی ہوئی ہندو نوازی، بدعنوانیوں اور عدم توجہی (دانستہ) کے باعث میرپور خاص، تھر اور سانگھڑ کے اضلاع میں ٹیلیفون کی ٹرنک لائنوں کا نظام ایک عرصے سے معطل ہے دفاعی مواصلاتی نظام بھی آئے دن متاثر رہتا ہے۔ واضح رہے کہ وفاقی حکومت نے ملک کو درپیش خطرات کے پیش نظر یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ سرحدی علاقوں میں ہندو افسران کو تعینات نہیں کیا جائے گا۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں بھی سرحدی اضلاع سے ہندو سرکاری اہلکاروں کو ریلیو کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ تھرپارکر کی ہندو آبادی نے جنگ کے دوران بھارتی فوج کو خوش آمدید کہا تھا اور بھارتی فوج کی جانب سے تھرپار کا قبضہ ختم کرنے کے بعد بڑی تعداد میں ہندو بھارت فرار ہو گئے تھے۔

تھرپارکر کے ہندو نوجوان سندھ میں علیحدگی پسند تنظیموں اور تحریکوں میں پیش پیش ہیں اور اکثر مواقع پر پرچم کو نذر آتش کرنے کے مذموم اقدام میں بھی ملوث ہتائے جاتے ہیں۔ اب جبکہ سندھ میں بھارت کی خفیہ تنظیم

”را“ کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں، راجستھان کے محاذ پر دہشت گردوں اور تخریب کاروں کو تربیت دے کر سندھ میں بھیجا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ٹیلیگراف کے سرحدی سائنگسٹر ڈویژن میں ایک کلیدی عہدے پر ہندو افسر کا تقرر اور اس کے ذریعے بڑی تعداد میں ہندو نوجوانوں کی بھرتی انتہائی تشویشناک ہے جو ملک کی سلامتی کے منافی ہے۔ اطلاعات کے مطابق اس وقت مٹھی، کپرو اور ٹنڈو آدم میں ہندو سپروائزر کام کر رہے ہیں سائنگسٹر ڈویژن کے اس ہندو افسر اعلیٰ نے تقریباً ۵۵ ہندو نوجوانوں کو ٹریننگ آرڈر جاری کئے ہیں جو اس وقت تھر، میرپور خاص اور سائنگسٹر کے مختلف ٹیلیفون ایکسچینوں میں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ٹی اوون کے کورس کے لئے جو آپریٹر بھیجے گئے ان کی جگہ پر بھی ہندو افراد کا تقرر کیا گیا۔ جب کہ مسلمان آپریٹروں نے گذشتہ کئی برسوں سے ٹریننگ لے رکھی ہے اور وہ آٹھ آٹھ دس دس سال سے لے کر پچاسی پر کام بھی کر رہے ہیں لیکن انہیں نظر انداز کر کے ہندو بھرتی کر لئے گئے۔ محکمہ ٹیلیفون میں بڑی تعداد میں ہندوؤں کی بھرتی کے نتیجے میں نہ صرف دفاعی اہمیت کے حامل اس محکمہ کی کارکردگی متاثر ہو رہی ہے بلکہ سرکاری اور دفاعی امور کے راز افشا ہونے کا خدشہ بڑھ گیا ہے۔ ٹیلیگراف ڈویژن سائنگسٹر کے ہندو اعلیٰ افسر کی کارکردگی کا یہ عالم ہے کہ ڈہورو نارو، پتھورو، چھورو، ٹنڈو غلام علی، محمد کوٹ جھڈو اور ڈگری کی ٹیلی فون کی فزبل لائنیں ایک عرصے سے کٹی ہوئی ہیں اور دفاعی لائنیں اکثر دیرپا معطل رہتی ہیں، جب کہ جھڈو، نوکوٹ، ڈگری

اور سکری سے کراچی کی ٹرنک لائنیں بلا جواز کاٹ دی گئی ہیں اور کوئی متبادل انتظام بھی نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف مبینہ تخریب کاری کے ذریعے ٹیلیفون کے تار کاٹ کر مواصلاتی نظام درہم برہم کرنے کے سلسلے بھی جاری ہیں۔ اب تک تھر، ساٹھگڑ اور میرپور خاص اضلاع میں تقریباً ایک لاکھ کلوگرام سے زائد ٹیلیفون کے تار کاٹے جا چکے ہیں جن کی مالیت تقریباً ایک کروڑ روپے سے زائد بنتی ہے۔ ٹیلیفون تاروں کو کاٹ کر تخریب کاری کے الزام میں چھ ہندوؤں کو بھی گرفتار کیا گیا تھا لیکن بعد میں نامعلوم سرپرستوں کے کہنے پر انہیں ضمانتوں پر رہا کر دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ مذکورہ افسر اعلیٰ گذشتہ دنوں میرپور خاص میں علیحدگی پسندوں کی تقریب میں بھی شریک ہوئے تھے۔ یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ بعض لیجنسیوں نے مذکورہ افسر اعلیٰ کی سرگرمیوں اور محکمہ ٹیلیفون و ٹیلیگراف (ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن) میں ہندوؤں کی بھرتی کا نوٹس لیا ہے اور اس بارے میں وفاقی حکومت کو اپنی رپورٹیں بھیجوائی ہیں۔

سندھ میں جس انداز سے سندھی ہندو جرات مندانہ منفی سیاسی کردار کے لئے سراٹھا رہا ہے، وہ چونکا دینے والا ہے۔ ورلڈ سندھی کانگریس، جس کے زیر اہتمام پہلے امریکہ اور ۱۹۸۹ء میں لندن میں عالمی سندھی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور جس میں سندھ سے جے سندھ، پیپلز پارٹی، ہلیجو گروپ اور قوم پرست کمیونسٹوں نے ایک ساتھ شرکت کی تھی۔ اس نے لندن میں اپنا رابطہ دفتر بھی قائم کر رکھا ہے۔ اس کانگریس کے چیئرمین ڈاکٹر جی

ایم بھرگزی ہیں جب کہ دیگر اعلیٰ عہدیدار بھی متمول حیثیت کے حامل ہندو ہیں۔ اس کاغذیں پاکستان کے سندھی قوم پرست صحافیوں سے موثر رابطہ قائم ہے۔ اسی طرح خلیج کے متعدد ممالک میں نصف درجن سے زائد سندھی ہندوؤں کی ایسی تنظیمیں کام کر رہی ہیں جو سندھ کے مسلمان سندھیوں کے ساتھ ”زمین“ زبان اور ثقافت کے رشتوں کو مستحکم کرتے ہوئے دھرتی سے اپنا پرانا تعلق بحال کرنا چاہتی ہیں۔ بھارت میں رہنے والے سندھی ہندو شہید صدر ضیاء الحق کے دور سے ہی اس بات کے لئے کوشاں رہے تھے کہ انہیں خصوصی مواقع کے علاوہ وزٹ ویزا پر آزادانہ سندھ آنے جانے کی مراعات دی جائیں، مگر اس کوشش میں انہیں بیتظیر زرداری کے دور حکومت میں کامیابی ہوئی، چنانچہ ۱۹۸۹ء میں متمول سندھی ہندوؤں کا ایک وفد حیدر آباد آیا تھا۔

سندھ سے ”سندھی ہندوؤں کو یکایک محبت نہیں ہو گئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اسے کبھی بھولے ہی نہ تھے اور آج کے ترقی یافتہ سندھ کو دیکھ کر بنیادیت کے منہ میں پانی آ رہا ہے۔“ (الغزالی، اپریل ۱۹۹۲ء)

”

ایک سندھی نوجوان کا درد بھرا خط

لوٹنے والے ہندو میں یا پنجابی؟

اللہ ڈیو مین

تمہید: ان دنوں سندھ میں ہندو بھارت اور اس کے ایجنٹوں کے جھاندر

میں آئے ہوئے سندھی بھائیوں کا پراپیگنڈہ زوروں پر ہے کہ پنجابی سندھ کو لوٹ لے گئے، پنجابی سندھ کا استحصال کر رہے ہیں۔ پنجابی سندھ پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو ایک ہی وقت میں پنجابی اور سانپ نظر آجائیں تو پہلے پنجابی کو ماریں حالانکہ اصل صورت اور حقیقت حال اس کے قطعی برعکس ہے۔ پنجابیوں نے سندھ کو بنانے، سنوارنے، آباد و سیراب کرنے اور سرسبز و شاداب بنانے کے لئے خون پیستہ ایک کیا۔ وہاں کی زبان و ثقافت اپنائی اور، اپنے اعزہ و اقارب سے سینکڑوں میل دور، سندھ کے ہونے کے رہ گئے۔ آج سندھ کے مسلمانوں کا سندھ میں نسلیں سے آباد مسلمان پنجابیوں کو ”پنجابی“ ہونے کے ”جرم“ میں سندھ کے پاکستان سے قتل و غارت، مار پیٹ، لوٹ پوٹ اور تباہ و برباد کر کے نکالنا ہندو دشمنوں کی ہمتوائی اور ہمسری ہے۔ مسلمانوں کا اعلیٰ و ارفع مقام نہیں ہے۔ سندھیوں کی مسمان نوازی مشہور ہے۔ انہیں وہاں مدتوں سے مقیم اور ہمسائے پنجابی مسلمانوں کے ساتھ میزبانوں کے شایان شان سلوک کرنا چاہئے۔

کوئی ۲۵ برس ادھر جب میں دفتر اکاؤنٹس جنرل پنجاب میں ملازم تھا تو لاہور سے گھونکی میں گئے ہوئے ایک افسر نے آکر بتایا کہ سندھ کا دفتری نظام ہندو اہلکاروں کے رحم و کرم پر ہے جو تھوڑے بہت مسلمان ہیں وہ چرس پی کر عالم بالا کی سیر کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔

آج سندھ کے ایک اہل درد مسلمان نوجوان نے اپنے چونکا دینے

لے مشاہدات و تجربات کی بنا پر ہو شرما حقائق کے ایک گوشہ کو بے نقاب کرنے کی سعادت حاصل کی ہے کہ اصل غاصب ہندو ہیں۔ سندھ ہندوؤں کے بال مال غنیمت ہے جسے سندھی ہندو دونوں ہاتھوں سے لوٹ لوٹ کر بھارت ڈھو رہے ہیں۔ مراسلہ پڑھنے کے بعد روئیں جگر کو یا پیٹیں سر کو، آپ کا انتخاب صحیح ہو گا۔ (محمد اسلم رانا)

”مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۹۲ء“

”خبر پاکستان“ محترم المقام، واجب الاحترام، مجاہد اسلام حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم رانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

بہت دنوں کے بعد آپ سے بذریعہ خط ملاقات ہو رہی ہے۔ آج کل نا چیز بندہ کے سیکنڈ ایئر ایم بی بی ایس کے امتحانات جو مورخہ ۱۸ اپریل ۹۲ء کو شروع ہو رہے ہیں، کی تیاری میں مشغول ہوں۔ جس وجہ سے اپنے عظیم و شفیق محسن، استاذ سے بہت دنوں سے خط و کتابت نہیں ہو سکی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے بیٹے کو دعاؤں میں ضرور یاد فرماتے ہوں گے۔ آج ”الْمذاہب“ اپریل ۹۲ء کا پرچہ نظر سے گزرا۔ صفحہ نمبر ۱ پر محترم سراج الدین صاحب کا مضمون اور آپ کے نوٹ کو پڑھ کر سندھی ہندوؤں کی تخریبی کارروائیوں سے واقف ہوئے۔ پتہ نہیں ہماری حکومت اتنی چیخوں

کے بعد بھی کیوں ان ”را“ کے ایجنٹوں کے خلاف قدم نہیں اٹھاتی۔

آج کل ہمارے سندھ میں لیاقت میڈیکل کالج جامشورو میں ایم بی بی ایس وی بی ڈی ایس کی نئی داخلہ شروع چکی ہے۔ میرٹ لسٹ پر نظر ڈالتے ہیں تو صرف ہندوؤں کی قطار جو کہ سلیکٹ ہو چکے ہیں، نظر آرہے ہیں۔ ضلع تھر، ضلع میرپور خاص تو ہیں ہی ہندو مگر اب پوری سندھ کی میرٹ لسٹ دیکھتے ہیں تو ہر ضلع میں مختلف جگہوں سے جھوٹے اور جعلی ڈومیسائل و پی آر سی مختلف رشوتوں، سفارشوں سے حاصل کر کے پورے سندھ کے طلبہ و طالبات (مسلمان) کے حقوق غصب کر کے ان کی جگہ میڈیکل میں داخلہ لے رہے ہیں۔ ہندو لوگ اپنے بچوں کو مختلف اندرون سندھ کے انٹرمیڈیٹ کالجوں میں داخلے دلواتے ہیں پھر وہاں کے اساتذہ کو بہت پیسہ دے کر محض خوشامدی کے ٹیوشن دلواتے ہیں۔ وہ اساتذہ کیا پڑھاتے ہیں وہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ پھر جب امتحانات آتے ہیں تو وہ اساتذہ اور ٹیوشنرز کا پی (نقل) کرواتے ہیں اور پریکٹیکل امتحانات میں ۲۵ مارکس سے بغیر کچھ بتائے ۲۴ مارکس حاصل کرتے ہیں وہ ان مارکس کے پیسہ الگ اساتذہ کو ادا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ شام کو اپنی اوقاتوں پر امتحانات لینے والے انٹرئل ایکسٹرئل کی دعوتیں کرتے ہیں۔ ان کو شباب و کیاب مہیا کرتے ہیں۔ اب پرچے ختم ہو چکے ہیں۔ اب وہ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے چکر لگاتے ہیں۔ وہاں کے سیکرٹ برانچ کے کلرکوں کو بھاری رقم دیکر یہ

معلوم کرتے ہیں کہ پرچہ کس استاد کے پاس چیک کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس استاد کا مکمل پتہ حاصل کرتے ہیں اور اپنے امتحانی سنٹر کا خفیہ کوڈ نمبر معلوم کر کے اس استاد کے پاس جاتے ہیں اور اس استاد کے مختلف ایجنٹوں سے رابطہ کرتے ہیں پھر ریٹ ملے ہوتا ہے جو کہ آٹھ ہزار سے لے کر ۱۵ چاند ہزار روپیہ فی پرچہ ہوتا ہے۔ مختلف مارکس کے مختلف ریٹ ہوتے ہیں۔ اب انہوں نے تمام پرچوں کی مارکس تقریباً ۷۵ ہزار سے لے کر ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے سب پرچوں میں ۸۰ سے ۹۰ فیصد مارکس حاصل کرتے ہیں۔ اب وہ مختلف میڈیکل کالجوں میں داخلہ فارم جمع کرواتے ہیں اب وہ سلیکٹ بھی ہو چکے۔ اب وہ امتحانات میں پھر دوڑ بھاڑ شروع کرتے ہیں مختلف اساتذہ پر Source لگا کر پاس ہوتے ہیں اور امتحانات کی تھیموری میں مکمل نقل ہی کرتے ہیں اور اس طریقہ سے پاس ہو جاتے ہیں۔ دیوان دیوان پر بست ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہندوؤں طلبہ و طالبات کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں جب میں مسلم سائنس کالج حیدر آباد میں انٹر کا طالب علم تھا۔ ہمارے کلاس کے بی سیکشن میں تقریباً ۱۸ طلبہ تھے جس میں سے ۱۳ غیر مسلم وہ بھی ہندو ہی ہندو تھے۔ اعتبار کریں ہم السلام علیکم کے بدلہ میں ہاتھ جوڑ کر بیٹھے کہہ کر ملتے تھے۔ یہ دن ہمارے ہاں دوزخی دنوں سے کم نہیں تھے۔ ہم مسلمان تھے۔ غیرت مسلمان تھی۔ اب بھی آپ مختلف سندھ کے پروفیسر کالجز و یونیورسٹیز کا سروے کریں گے تو آپ کو مجموعی ۷۰ فیصد ہندو ہی ملیں گے۔

ایک پروفیسر کے مطابق کہ ہر میڈیکل کے طالب علم پر دوران پڑھائی دو سے چار لاکھ روپے حکومت پاکستان کے اخراجات آتے ہیں۔ جب یہ محترم ہندو صاحب دوران تعلیم مختلف قوم پرست تنظیموں میں کامریڈ کے نام سے لیڈر بن کر مختلف کالجوں و اداروں کے سربراہوں پر اپنا رعب جماتے ہیں اور ان سے مختلف بہانوں سے پیسہ غنڈہ ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ جب فاضل ایس ایم بی بی ایس کر جاتے ہیں تو وہ وزٹ ویزا پر ہندوستان جاتے ہیں۔ وہاں مستقل طور پر اپنی ہسپتالیں، شفاخانہ، کلینک کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ ہمارے قومی خزانہ سے پڑھ کر مظلوم سندھیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر ان مظلوم غریب طالب علموں کی تقدیر پر ہنس کر خوش ہو کر اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔ ان کو مختلف خفیہ تنظیموں سے دھپے ملتے ہیں۔ یہ مسلم کمرشل بینک سے قرض حسنہ بھی حاصل کرتے ہیں۔ آپ سے مؤدبانہ و عاجزانہ گزارش کی جاتی ہے کہ برائے کرم ”الہذاہب“ و آپ کے زیر اثر پریس میں اس ظلم کے خلاف مضامین تحریر فرمائیں۔ ان کے خلاف بھی لکھیں جس کی آج شدید ضرورت ہے۔ یہ اسلامی ملک ہے ہندوستان نہیں۔ ان ہندوؤں کی زبان سندھی ہے مگر آپ حیران ہوں گے کہ جب یہ آپس میں دو ہندو ملتے ہیں تو پتہ نہیں کونسی سندھی نہیں اپنی زبان بولتے ہیں جس سے یہ مزید مشکوک ہو جاتے ہیں۔ ہمارے تمام مدبروں، مفکرین، دانشوروں، صحافیوں، قلم کاروں، ادیبوں، اٹل قلموں کو چاہئے کہ وہ اس جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض نبھائیں اور

پاکستانی حکومت کو مجبور کریں کہ وہ ہندوؤں اور غیر مسلموں کے لئے دو فیصد کوٹہ مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور نوکریوں میں مقرر کریں اور سی ایس ایس اور پی سی ایس کے امتحانات میں مکمل طور پر ہندوؤں کا داخلہ ممنوع قرار دیں۔

والسلام

طالب دعا۔ خادم اللہ وٹو میمن غنی غنہ

(الحذاہب جون ۱۹۹۲ء)

ہندوؤں کو مسلمانوں کا اسلام سے لگاؤ ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ بھارتی پنجاب کا ایک آنجھانی ہندو شاعر شوکار بٹالوی (متوفی ۱۹۷۳ء) حدر درجہ کا شرابی، عاشق مزاج اور زانی تھا۔ تاہم اپنی گانٹھ کا پکا ہندو تھا۔ لکھتا ہے۔

حداں	بچے	بٹھ	کے	دی
گوریاں	تے	کالیاں	نے	
ہتھیں	رس	چھڑیا	نہیں	
مذہبیاں	دے	پھندے	دا	

کہ انگریزوں اور مسلمانوں نے مذہب کے نام سے ہندوستان کو تقسیم کیا تھا۔ آج تک مذہب پسندی مسلمانوں کے دلوں سے محو نہیں ہوئی۔ اسلام اسلام کی رٹ برابر لگائے جا رہے ہیں۔

شاعر کا مذہب کو پھانسی کا پھندا کتنا کس قدر معنی خیز ہے!

سندھی عوام کو بھڑکانے کی بھارتی مہم

مشی (این این آئی) انڈیا ریڈیو نے سندھ میں پاکستان دشمن جذبات کو بھڑکانے کے لئے اپنی سندھی سروس کے دودانیے میں حیرت انگیز طور پر تین گھنٹے کا اضافہ کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں جو دھپور، بے پور، بھج اور دوسرے علاقائی ریڈیو اسٹیشنوں سے مارواڑی، ڈھائی اور پارکری زبانوں میں تھر کے لوگوں کے لئے خصوصی نشریات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دوسری طرف ”سارنگ“ اور ”لہج“ کے عنوان سے ایک پراپیگنڈائی سلسلہ شہدادکوٹ سندھ نے چند سال قبل نقل مکانی کر کے بھارت جانے والی اہلیہ دینا سرنگی کا تربیت دیا ہوا پروگرام نشر ہوتا ہے جس میں سندھ سے بھارت جانے والے ہندوؤں کی پتہ پتائی جاتی ہے اس سلسلے میں زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے سندھی ہندوؤں کو پاکستان کے خلاف بغاوت پر اکسانے کی کوشش ہوتی ہے۔ صبح کے ایک گھنٹہ کی نشریات میں سندھی مسلمانوں کے فرضی ناموں سے خطوط چھاپے جاتے ہیں جو ”جمن تو کھی خبر کھڑی“ کے عنوان سے ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ شام کو ساڑھے پانچ سے آٹھ بجے تک معروف سندھی اور پاکستان دشمن ادیبوں ہیرو ٹھکر، شائے ساگر، آشا آہو جا، موہن ہتھالی، اشوک مکائی، رمیش جیشووانی، ایثار لال، میگو راج گرٹانی، پرمانند کیولر امانی، موہنی بھائی اور اکو بھلا کے ترتیب دیئے ہوئے پروگراموں میں سندھ لونیاری، سندھ آبائی زبان، آج کا مہمان، بھنوں کے خطوط، تیری

میری پریت پرانی، میری سندھ کی سکھڑ خواتین کے نام، میرا ملک ملیروغیرہ کے عنوانات کے تحت اہل سندھ کو بھارت کا جمن بنانے کی مہم زوروں پر ہے۔ سرحد پار سے آمدہ اطلاعات کے مطابق یہ مہم اہل کے ایڈوانی جیسے اسلام دشمن سندھی کی سرپرستی میں منظم کی گئی ہے۔

پاکستان میں مندروں کی مرمت و تعمیر محمد اسلم رانا

تعمید : ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں بھارت میں بابری مسجد شہید کئے جانے پر ۷ اور ۸ دسمبر کو پاکستان میں شدید مظاہرے اور ہنگامے ہوئے تھے۔ ان ہنگاموں کے دوران جوشیلے، شوریدہ سر اور نارسمجھ و نا عاقبت اندیش نوجوانوں نے ہندو مندروں کو نقصان پہنچایا تھا، حکومت پاکستان کی طرف سے اقلیت پرستی کے روایتی جذبہ کے تحت اقلیتی نقصانات کی فوری تلافی کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں چند اخباری اطلاعات درج ذیل ہیں۔ لاہور میں مندروں کی مرمت و تعمیر میں نے پچشم خود ملاحظہ کی ہے (محمد اسلم رانا)

شہداد پور میں متاثرہ مندروں کا معائنہ

شہداد پور (نامہ نگار) اقلیتی رکن قومی اسمبلی کشن چند پاروانی اور ڈویژنل کمشنر حیدر آباد اسلم خجرائی نے اتوار کو شہداد پور کا دورہ کیا۔ اس موقع پر انہوں نے ڈی سی ساگنکھر عیدالسبحان میمن، ہندو پنجائیت کے صدر دیوان کشن چند کے ہمراہ ہندوؤں کے متاثرہ مندروں اور املاک کا تفصیلی

معائنہ کیا۔ انہوں نے ہندو برادری کو یقین دلایا کہ ان کے نقصانات کا حکومت کی جانب سے جلد معاوضہ ادا کر دیا جائے گا انہوں نے اسسٹنٹ کمشنر شہداد پور کو ہدایات جاری کیں کہ وہ نقصانات کی سروے رپورٹ دو دن کے اندر تیار کر کے انہیں روانہ کریں۔ بعد ازاں انہوں نے سابق صوبائی وزیر اور رکن سندھ اسمبلی میر محمد دہان کی رہائش گاہ پر جا کر ان کی ہمیشہ کے اشغال پر تعزیت کی۔ دریں اثناء کشن چند پاروانی نے کہا ہے کہ بھارت میں انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں بامیری مسجد کی شہادت ایک المناک واقعہ ہے جس پر پاکستان کے ہندو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اس غم میں برابر کے شریک ہیں یہ بات انہوں نے اتوار کو شہداد پور میں متاثرہ مندروں کے معائنہ کے موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ مذکورہ واقعہ کے رد عمل میں پاکستان میں ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور ان کی املاک کو زبردست نقصان پہنچایا گیا۔ جو افسوس ناک عمل تھا انہوں نے حکومت کی جانب سے اقلیتوں کو پہنچنے والے نقصانات کا معاوضہ ادا کرنے کے فیصلے کو مستحسن قدم قرار دیا۔ جس پر پوری ہندو برادری وزیراعظم نواز شریف کی شکر گزار ہے انہوں نے بھارت کے وزیراعظم سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی تاریخی بامیری مسجد کو جلد دوبارہ تعمیر کرایا جائے اور بھارت میں مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ (جنگ کراچی ۹۲-۹۳-۲۲)

اقلیتوں کے تحفظ کے لئے اقدامات

بیلہ (نامہ نگار) بلوچستان بھر خصوصاً ضلع لسبیلہ میں اقلیتی برادری کے مندروں اور دیگر املاک پر حملے اور ان کو نذر آتش کرنے کے واقعات افسوسناک ہیں۔ وفاقی حکومت کی بھرپور کوششوں کے سبب متاثرہ افراد کے نقصان کے فوری ازالہ کے لئے جلد ہی اقدامات کئے جائیں گے۔ ان خیالات کا اظہار اقلیتی ممبر قومی اسمبلی بھگوان واس چاؤلہ نے دورہ لسبیلہ کے دوران حب او تھل اور بیلہ میں اقلیتی برادری کے رہنماؤں اور متاثرین سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ بابر مسجد کو شہید کر کے انتہا پسند ہندوؤں نے ایک ایسی غلطی کی ہے جس کا کبھی بھی ازالہ نہیں ہو سکتا ہے لیکن اس کی سزا پاکستان میں صدیوں سے امن و سکون سے آباد اقلیتی برادری کو دینا کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم پاکستان نواز شریف اور ان کی کابینہ کے ارکان نے حالیہ واقعات کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے پورے پاکستان میں ان واقعات میں ملوث افراد کے خلاف فوری کارروائی کی ہدایت جاری کرنے کے ساتھ ساتھ مندروں کی فوری تعمیر اور دیگر املاک کے نقصانات کے ازالے کے لئے حکومت کی جانب سے جو مثبت اقدامات کئے ہیں وہ یقیناً قابل تعریف ہیں، پاکستان بھر میں مقیم اقلیتی برادری ان اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس توقع کا اظہار کرتی ہے کہ ان کے نقصانات کے فوری ازالے کے لئے مثبت اقدامات کئے جائیں گے۔ اس موقع پر ہندو پنجائیت میلہ کے صدر مکھی نبھن واس اور دیگر رہنماؤں نے انہیں بیلہ میں ہونے والے

نقصانات کی تفصیلات ہے آگاہ کیا۔ (جنگ کراچی ۹۲-۹۳-۹۴)

سندھ میں مندروں کی مرمت

کراچی (اے پی پی) وفاقی ایڈیشنل سیکرٹری اقلیتی امور ذوالفقار علی قریشی نے کہا ہے کہ بابری مسجد کے شہید ہونے کے نتیجے میں ہونے والے مظاہروں میں اقلیتی برادری کے جن باشندوں کو نقصان پہنچا ہے ان کو معاوضے کی ادائیگی کی جا رہی ہے۔ یہ بات انہوں نے سندھ میں اقلیتی برادریوں کے باشندوں اور مندروں وغیرہ کو پہنچنے والے نقصانات کا جائزہ لینے والے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اجلاس میں اقلیتی برادریوں کے نمائندوں، رکن قومی اسمبلی بھگوان داس، مہر مل بکوانی اور ہوشنگ پروچہ اور صوبائی سیکرٹری زکوٰۃ و عشر کمال الدین قریشی اور ایڈمنسٹریٹر متروکہ جائیداد ٹرسٹ محمد رشید خان اور دیگر افسران شریک تھے۔ اس موقع پر بابری مسجد کی شہادت کے نتیجے میں ہونے والے ہنگاموں کے دوران ہلاک ہونے والے ایک شخص ہیرا لال کے والد کو ۵۰ ہزار روپے کا چیک دیا گیا۔ وفاقی سیکرٹری کو بتایا گیا کہ بلوچستان کے ۸ خاندانوں اور پنجاب کے خاندان کو بھی معاوضہ ادا کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اگر کوئی اور وغویدار ہے تو وہ حکومت سے رجوع کر سکتا ہے انہوں نے کہا کہ معاوضہ وزیراعظم کی ہدایت پر دیا جا رہا ہے۔ سیکرٹری نے بتایا کہ وفاقی حکومت نے اعلیٰ اختیاراتی بورڈ قائم کیا ہے جو مندروں وغیرہ کی مرمت کے سلسلے میں صورت حال کا

جائزہ لے گا۔ بورڈ میں محکمہ ذکوۃ و عشر سندھ، سرحد اور بلوچستان کے سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری پنجاب شامل ہیں انہوں نے کہا کہ سندھ میں مندروں کی مرمت کے سلسلے میں سب کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ مندروں میں جن مورتیوں کو نقصان پہنچا ہے ان کا معاوضہ بھی ادا کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے اقلیتی برادری کے اراکین صوبائی و قومی اسمبلی پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے اجلاس میں موجود اقلیتی برادری کے نمائندوں نے مندروں وغیرہ کی مرمت کے سلسلے میں حکومت کے اقدامات پر اطمینان کا اظہار کیا۔ (جنگ کراچی ۹۳-۱-۲۳)

کراچی (اسٹاف رپورٹر) صوبائی وزیر مذہبی امور و حج محمد حنیف سولجر نے کہا ہے کہ حکومت اقلیتوں کے جان و مال کے تحفظ کو اولین ترجیح دے رہی ہے کیونکہ ہماری نظر میں تمام شہری یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ بات انہوں نے منارٹی ہاؤس میں پاکستان منارٹی فرنٹ کے زیر اہتمام ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ ہنگاموں میں اقلیتوں کی جن عبادت گاہوں کو نقصان پہنچا ہے۔ ان کی تعمیر نو اور مرمت کا کام تیزی سے جاری ہے اور اس پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں نے پاکستان کی ترقی و تعمیر میں جو کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ بھی اس سلسلے میں کام کرتے رہیں گے۔ صوبائی وزیر تعلیم عابد شریف نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت صوبے کے تمام طالب علموں کو بڑا

تفریق تعلیمی سولتیں فراہم کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلے میں ہر ممکن اقدامات کئے جائیں گے۔ (جنگ کراچی ۹۳-۹۴-۲۳)

پاکستان میں اقلیتیں محفوظ ہیں

ٹنڈو جام (نامہ نگار) صوبائی اسمبلی کے اقلیتی رکن اور پاکستان مٹارٹی قمریٹ کے قائد مائیکل جاوید نے کہا ہے کہ امریکہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل یونینیا اور کشمیر کے مسئلے پر جو کردار ادا کر رہا ہے اس سے پوری سچی برادری کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ عراق کے خلاف اگر کارروائی کی جا سکتی ہے تو یونینیا اور کشمیر میں انسانیت کو پامال کرنے والوں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی جاتی۔ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اندراج کا فیصلہ واپس لے لیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ باتیں نامہ نگار مشرق ظفر الاسلام سے کرتے ہوئے کہیں انہوں نے کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو ہر قسم کی آزادی اور تحفظ حاصل ہے لیکن اس بات پر ہم مسلمانوں کے سامنے شرمندہ ہیں کہ ہماری جن ممالک میں اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کے ساتھ صحیح سلوک نہیں ہو رہا۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں باری مسجد کی شہادت نے نہ صرف بھارت کے آئین اور قانون کی دھجیاں بکھر کر رکھ دی بلکہ بھارت کے منہ پر نہ مٹنے والی کالک مل دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے افسوس اس بات پر ہے کہ ابھی تک بھارت کی گلیوں، سڑکوں پر مسلمانوں کا خون بہ رہا ہے۔ بھارتی حکومت اور بین الاقوامی طاقتیں صرف خاموش

تماشاخی بنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک مسجد مندر اور گرجا سب برابر اور قابل احترام ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کشمیر میں اور سربیا بوسنیا میں جس طرح انسانیت اور انسانی حقوق کو روند رہے ہیں اس کی پوری دنیا میں مثال نہیں ملتی اور اقوام متحدہ سلامتی کونسل اور امریکہ اور یورپی برادری صرف خاموش تماشاخی بنی ہوئی ہے اور ان کے اس گھناؤنے کردار نے پوری مسیحی عوام کے سروں کو شرم سے جھکا دیا ہے انہوں نے کہا کہ جب عراق کے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے تو امریکہ اور یورپی برادری اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل بھارت سربیا اور اسرائیل کی کھلی انسانیت کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرتی۔ (شرق ۹۳-۱-۲۳)

ضلع تھر میں گائے ذبح کرنے پر پابندی

میرپور خاص (این این آئی) ضلع تھرباب الاسلام سندھ کا ایک ایسا ضلع ہے جہاں گائے کے ذبح پر پابندی ہے اور سرکاری انتظامیہ بھی ”ہندوؤں“ کو خوش کرنے کے لئے مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کو فروخت کی اجازت نہیں دیتی۔ اطلاعات کے مطابق ضلع تھر کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ”منچی“ اور ایک دوسرے شہر ”اسلام کوٹ“ میں جہاں ہندوؤں کا غلبہ ہے گائے سمیت بڑے جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ منچی اور اسلام کوٹ میں مسلمان بھی بستے ہیں اور اگر وہ

چاہیں بھی تو گائے سمیت کسی بڑے جانور کو ذبح نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے کی صورت میں ”ہندوؤں کے احتجاج“ پر سرکاری انتظامیہ مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرتے ہے۔ یہ بھی گریز نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ مٹھی اور اسلام کوٹ اور ان کے گرد و نواح کے دیہات اور قصبوں میں بڑے گوشت کی کوئی دکان یا مارکیٹ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے ڈپٹی کمشنر تھر اور ایک فوجی افسر سے ملاقات کر کے ان سے بڑے جانور ذبح کرنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دینے کی بجائے کہا کہ ”جیسا پہلے سے چل رہا ہے چلتے دو۔“ اس سلسلے میں ضلع تھر کے بعض مسلمانوں نے بتایا کہ ”یوں لگتا ہے کہ مٹھی اور اسلام کوٹ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں شامل نہیں بلکہ بھارت کا حصہ ہیں۔“ انہوں نے اس صورت حال کو مسلمانوں کی دینی غیرت و حمیت کے لئے ایک چیلنج اور حکومت کے لئے لمحہ فکریہ قرار دیا ہے۔ (نوائے وقت ۹۳-۶۱)

بھیمی مسلمانوں کا مقتل بن گیا ہے : ٹائم

بھیمی (فارن ڈیسک) مسلمانوں کے لئے دس دن سے مقتل بن جانے والے اہم ترین بھارتی شہر بھیمی میں مسلمانوں کے علاقے خاکستر بن چکے ہیں۔ لا تعداد مسلمانوں کے گھر راکھ کا ڈھیر اور ان کے کاروباری مراکز جلے کا انبار بن گئے ہیں مگر جنوبی ہندوؤں کے ٹوٹے بھیمی کے گلی کوچوں میں ”جلا دو اور مار دو“ کے نعرے لگاتے اب بھی دندنا تے پھر رہے ہیں یہ

تفصیلات ٹائم میگزین کی تازہ رپورٹ میں دی گئی ہیں۔ ٹائم نے بتایا کہ بھیمی کے جنوب کی غریب مسلم آبادیوں میں ہزاروں مسلمانوں کی جھونپڑیاں چاروں طرف سے گھیر کر نذر آتش کی گئیں عمارتوں کو دھماکے سے اڑا دیا گیا یہ وارداتیں جنوب مغربی اضلاع میں بھی بڑی سفاکی سے ہوئیں۔ وہاں تیزاب بم اور پٹرول بم استعمال کئے گئے۔ اگرچہ دمیر کے شروع میں ہندو مسلم فسادات کے فوراً بعد ۳۰ ہزار افراد پر مشتمل خصوصی پولیس عملہ تعینات کیا گیا تھا اور کرفیو بھی لگا تھا۔ لیکن جب ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام اور ان کے گھروں کو جلانا شروع کیا تو دیکھتے ہی گولی مارنے کے حکم پر عمل کرنے کے بجائے بھارتی فورسز تماشاکی بنی رہیں اور بھیمی جلتا رہا ہندو دیوتا شیوا کی فوج شیو سینا لوٹ مار، قتل و غارت گری اور بے رحمی کرتی رہی پھر جب فوج وہاں پہنچی تو ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۶۰۰ سے تجاوز کر چکی تھی ۶۵ سالہ کارنوسٹ بال ٹھاکرے نے جو شیو سینا کا سربراہ ہے اپنے

حامیوں سے کہا کہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھالو اور انہیں عبرتناک سبق دو۔ ٹھاکرے نے اپنی پارٹی کے اخبار میں لکھا کہ اگر مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی، کشش کی تو مسلم کش فسادات پورے ملک میں کرائے جائیں گے تاہم نے لکھا ہے کہ بدترین ہندو مسلم فسادات کے نتیجے میں نئی دہلی میں بھی وزیراعظم نریندر مودگی کی حکومت کو مفلوج بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ان فسادات نے بمبئی کے ۳۰ لاکھ مسلمانوں کا مستقبل غیر یقینی بنا دیا ہے۔ (نوائے وقت ۹۳-۲۱-۱)

پاکستان ایک نعمت عظیم ہے

اس نعمت رب جلیل کی اہمیت اور بھارتی مسلمانوں کی بد حالی کی وسیع تبلیغ و اشاعت کے لئے اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ طباعت لازم و لابد ہے۔

اگر اللہ پاک

کا کوئی اہل دردمندہ اس کتاب کو چھپوانا چاہے تو کتابت شدہ کاپی میرے پاس محفوظ ہے۔ خرچ مجھے دیدیا جائے تو چھپوا بھی دوں گا۔ (مفت محمد تقی عثمانی)

ضروری تبلیغی کتاب

نمبر	نام کتاب	صفحہ نمبر	تعداد
۱	انجیل برنباس	۵	۵
۲	حقیقت عیسائیت	۱۸	۷
۳	حقیقت قادیانیت	۱۹	۷
۴	حضرت مسیح انجیل کے آئینے میں	۲۰	۲
۵	حضرت محمدؐ یا نبی کی نظریں	۲۱	۳
۶	ہندو مت	۲۲	۳
۷	تاریخ سکھ مت	۲۳	۷
۸	رموز المودود	۲۴	۵
۹	الجماد فی الاسلام	۲۵	۲
۱۰	اللہ تعالیٰ کا آخری پیام	۲۶	۲
۱۱	توحید و تثلیث	۲۷	۲
۱۲	دین مبین	۲۸	۲
۱۳	ہم مسلمان کیوں ہوئے	۲۹	۲
۱۴	انجیل برنباس کی حقیقت	۳۰	۲
۱۵	اسلام ایک نظریں	۳۱	۲
۱۶	اسلام کی خصوصیات	۳۲	۲
	عشا قان رسولؐ دو سر ایڈیشن	۲۸	۲
	بے مثل نبیؐ	۲۹	۲
	انجیل میں تضادات	۳۰	۲
	کشش اسلام	۳۱	۲
	حضور کے بینظیر معجزات	۳۲	۲

محمد اسلم رانا کے فاضلانہ اور محققانہ قلم سے

نمبر	عنوان	پہا	تہا	تہا
۱	حضرت مسیح اور کتاب مقدس	۳	۳	۳
۲	مسیحی عقائد	۳	۳	۳
۳	بائبل کے متن کی حیثیت	۳	۳	۳
۴	عصیت خدا	۳	۳	۳
۵	چند مسیحی غلط فہمیوں کا ازالہ	۳	۱۸	۵
۶	مسیحی یا مسلمان	۳	۱۹	۳
۷	قرآن سے بائبل کی تمیز	۳	۲۰	۳
۸	حقیقت قصص بائبل	۵	۲۱	۳
۹	عصت انبیاء	۳	۲۲	۳
۱۰	زبور کا حیران کن انکشاف	۵	۲۳	۵
۱۱	بائبل میں رد و بدل حصہ اول	۵	۲۴	۵
۱۲	بائبل میں رد و بدل حصہ دوم	۵	۲۵	۵
۱۳	تعارف بائبل ختم شد	-	۲۶	-

۲۷ قرآن کریم لا زوال معجزہ ہے ۱۵

۲۸ قدیمیت پرستیوں کا مسیحی مجموعہ کس کس ختم

۲۹ بھارتی مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم ۱۵

اسلامی مشن سنت نگر لاہور